پندِ تاریخ ۳

تالیف
موسیٰ خسروی

ترجمہ
محمد حسن جعفری
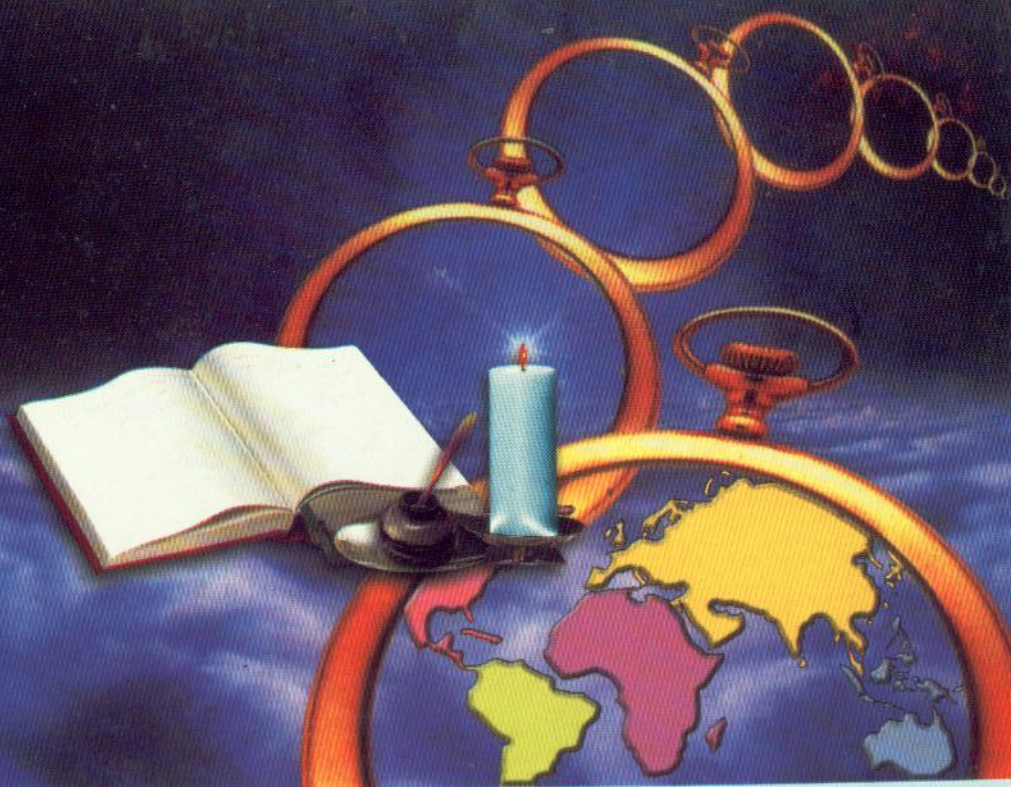
حسن علی بک ڈپو بالمقابل بڑا امام باڑہ۔ کھارادر۔ کراچی فون ۲۴۳۳۰۵۵

کتاب ________ پند تاریخ جلد سوم
تالیف ________ موسیٰ خسروی
ترجمہ ________ محمد حسن جعفری
کمپوزنگ ________ محمد جواد کاشف
تصحیح ________ سید فیضیاب علی رضوی
طبع اول ________ ۲۰۰۰ء

باب اوّل ۔ تواضع

باب دوم ۔ تکبر و خود پسندی کی مذمت

باب سوم ۔ حلم و بردباری

باب چہارم ۔ سعی و عمل

باب پنجم ۔ عزتِ نفس

باب ششم ۔ لمبی آرزوئیں

باب ہفتم ۔ ظلم و ستم

باب ہشتم ۔ عدل و انصاف

باب نہم ۔ مذمت اسراف و سخت گزرانی

باب دہم ۔ مذمتِ حُبِ دنیا

باب اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تواضع

مقدس اردبیلیؒ کا تعلق ملت جعفریہ کے ان علماء میں سے ہے جن پر پوری ملت فخر کرتی ہے۔ آپ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور سیرت امیر المؤمنین علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے پیوند زدہ لباس پہنتے تھے۔ نجف اشرف میں ایک زائر نے انہیں اپنا میلا لباس اتار کر دیا اور کہا کہ آپ میرے لباس کو جلدی سے دھو دیں۔

مقدس اردبیلیؒ نے زائر کے لباس کو دھونا شروع کیا۔ اسی دوران کسی نے زائر کو بتایا کہ تو نے جنہیں لباس دھونے کے لئے دیا ہے یہ اس وقت کے محدث اعظم اور فقیہ اکبر مقدس اردبیلیؒ ہیں۔

زائر پریشان ہو کر ان کے پاس آیا اور معذرت کی کہ مجھ سے گستاخی سرزد ہو گئی ہے آپ معاف کر دیں۔

مقدس اردبیلیؒ نے کہا بھائی کوئی بات نہیں مومنین کے حقوق ایک

دوسرے پر لباس دھونے سے زیادہ ہیں۔ اس میں تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ (روضات الجنات)

مقدس اردبیلیؒ کو پہچانیں

مقدس اردبیلیؒ کی عمر کا زیادہ تر حصہ نجف اشرف میں گزرا۔ ان کا شمار نجف اشرف کے حوزۂ علمیہ کو قائم کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ اس دور میں روضہ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے صحن میں ایک کنواں ہوتا تھا۔ جس سے مقدس اردبیلیؒ پانی بھرا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نماز شب کے لئے اٹھے اور پانی کے لئے کنوئیں میں ڈول پھینکا۔ جب ڈول نکالا تو وہ سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ ڈول دوبارہ کنوئیں میں گرادیا۔ پھر انہوں نے کھینچا تو دوسری مرتبہ بھی ڈول اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔

انہوں نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: "آقا من آب می خواھم وزرنمی خواھم" مولا مجھے پانی کی ضرورت ہے مال و زر کی نہیں۔ (قصص العلماء)

مقدس اردبیلیؒ کی جلالت

ایک قصوروار شخص نے مقدس اردبیلیؒ کی خدمت میں عرض کی کہ: "شاہ عباس اول مجھ سے ناراض ہیں۔ آپ مجھے خط لکھ کر دیں تاکہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔"

آپ نے اس شخص کو خط لکھ کر دیا، خط کی عبارت یہ تھی: "چند روزہ شہنشاہیت کے مالک عباس کو علم ہونا چاہئے کہ اگرچہ یہ شخص پہلے ظالم تھا لیکن اب مظلوم ہے، اس کی تقصیر سے درگزر کرو تاکہ حق سبحانہ تمہاری تقصیروں سے درگزر فرمائے۔" (کتبہ بندہ شاہ ولایت۔ احمد اردبیلیؒ)

مقدس اردبیلیؒ کو شاہ عباس نے یہ جواب تحریر کیا: "جو کچھ آپ نے حکم دیا ہم نے اس کی تعمیل کردی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس محب کو دعائے خیر میں یاد فرمائیں گے۔" (کتبہ کلب آستان علی۔ عباس)

شاہ عباس نے مقدس اردبیلیؒ کے خط کو چوما اور کہا: "میرا کفن پیش کیا جائے۔"

شاہ عباس کے صاحبزادہ نے عرض کی: "ابا جان آپ کفن منگوا کر کیا کریں گے؟"

شاہ عباس طہماسب نے کہا: "جان پدر! میں اس خط کو اپنے کفن میں رکھنا چاہتا ہوں اور قبر میں منکر ونکیر کو یہ خط دکھا کر کہوں گا کہ مقدس اردبیلیؒ نے مجھے اپنا بھائی لکھا ہے۔"

عمار دہنی کا اظہار تواضع

ورام بن ابی فراس سے روایت ہے کہ ایک دن قاضی ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں عمار دہنی نے گواہی دی۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے کہا: "عمار دہنی! میں تجھے خوب جانتا ہوں تو رافضی ہے، لہذا تیری گواہی میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔"

یہ سنتے ہی عمار کا جسم لرزنے لگا اور عمار نے بے ساختہ رونا شروع کیا۔

قاضی نے کہا: "عمار! اگر اس نسبت سے تیری دل آزاری ہوئی ہے اور تو اس نسبت کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا تو ہمارا بھائی ہے۔ ہم تیری گواہی قبول کریں گے۔"

عمار نے کہا: "قاضی! تو غلط سمجھا میں تو تیرے اور اپنے لئے رو رہا ہوں۔ مجھے اپنے اوپر اس لئے رونا آتا ہے کہ تو نے اس عظیم مقام کی طرف میری نسبت دی جس کے میں قابل نہیں ہوں کیونکہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا ہے کہ جب جادوگروں نے فرعون کو چھوڑ دیا اور موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تو فرعون نے ان سے کہا تھا "رفضتمونی" تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ لہٰذا اسی نسبت سے ان جادوگروں کو لفظ رافضی کے ساتھ پکارا گیا۔ اسی لئے رافضی وہی ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جسے خدا پسند نہ کرتا ہو اور ہر اس چیز پر عمل کرے جو خدا کو پسند ہو۔ ہائے ایسے لوگ اب کہاں ہیں؟ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے بہت بڑا لقب قبول کرلیا ہے۔ اب اگر خداوند عالم قیامت کے دن مجھ سے یہ پوچھ لے کہ تو نے اولیائے خدا کا جو لقب قبول کیا تھا کیا تم میں اسکی صلاحیت موجود تھی؟ میں حیران ہوں میں اپنے خدا کو کیا جواب دوں گا اور میں تیرے حال پر اس لئے رو رہا ہوں کہ تو نے اتنے بڑے نام کو حقیر سمجھ لیا ہے۔"

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو کسی نے عمار کے جواب سے آگاہ کیا تو آپؑ نے فرمایا: "عمار نے ہمارے مخالف کے دربار میں کلمۂ حق کہا ہے۔ اگر عمار کے گناہ آسمان سے زیادہ ہوں گے تو بھی اللہ معاف فرمادے گا اور اگر اس کے نامۂ اعمال میں رائی کے برابر نیکی ہوگی تو اللہ

اسکی ہر نیکی کو اس دنیا سے ہزار گنا زیادہ بنادے گا۔" (روضات الجنات باب محمد)

تواضع کا ثمر

مدائن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بکرا ریوڑ سے جدا ہوگیا اور پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ اسے جالیا۔ آپؑ نے اسے پکڑ کر پیار کیا اور فرمایا: "تو تھک گیا ہوگا، نادان جانور! یقین کرو میں تمہیں قیمتی سمجھ کر تمہارے لئے نہیں دوڑا، میں اس لئے دوڑا کہ مجھے ڈر تھا کہ اگر تم پہاڑوں میں اکیلے رہ گئے تو کسی درندے کی خوراک بن جاؤ گے۔"

پھر آپؑ نے اسے اپنے کندھے پر اٹھایا اور ریوڑ کے ساتھ چھوڑ دیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تواضع اور شفقت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا: "موسیٰؑ تو رحم دل ہے، تو میری مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور تو میری مخلوق کو درندوں سے بچانا چاہتا ہے، تو ہم بھی تجھے خلعتِ نبوت سے سرفراز کریں گے اور جب تک یہ دنیا قائم رہے گی تمہارا نام باقی رہے گا۔ ہم تجھے اپنا شرفِ خطاب بخشیں گے اور تجھے اپنا کلیم بنائیں گے۔" (انوار نعمانیہ ص ۳)

الکافی میں امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو خطاب کرکے فرمایا: "اے موسیٰؑ! جانتے ہو میں نے تمہیں کلیم ہونے کا شرف کیوں عطا فرمایا؟ تمہیں کلیم بنانے کی وجہ یہ تھی کہ جب میں نے تمام انسانوں پر نظر کی تو تجھ سے زیادہ عاجزی اور تواضع کرنے والا کسی کو نہ پایا، میں نے تمہیں اس لئے کلیم بنایا کہ تم خاک پر سجدہ کرتے تھے اور مجھے تمہاری یہ تواضع پسند آئی۔"

افتادگی آموز اگر طالب فیضی
ہرگز نخورد آب زمینی کہ بلند است

اس مقام پر اردو کا یہ شعر لکھنا مناسب نظر آتا ہے کہ (مترجم):

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

امام زین العابدینؑ سے درسِ تواضع

ایک دن مشہور شاعر اور محدث محمد بن شہاب زہری غمگین شکل وصورت لئے امام علی زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

امام علیہ السلام نے زہری سے پریشانی کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا: "مجھے ان لوگوں پر غصہ آتا ہے جن سے میں تو نیکی کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے حسد کرتے ہیں۔"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "تمہارے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنا ذاتی خاندان تصور کرو۔ ان میں سے جو تم سے بڑا ہو اسے اپنے باپ کے مقام پر سمجھو اور جو تم سے چھوٹا ہو اسے بیٹے کے مقام پر سمجھو اور جو تمہارا ہم عمر ہو اسے اپنا بھائی تصور کرو، پھر تم سوچو کہ آیا اپنے خاندان کے افراد کا کوئی نقصان تمہیں پسند آتا ہے؟ کیا تم اپنے خاندان پر ظلم یا بد دعا کرنا گوارا کرو گے یا یہ چاہو گے کہ ان کے راز آشکار ہو جائیں؟ اور اگر کبھی ابلیس تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرے کہ تم ان سے بہتر ہو تو شیطانی وسوسہ کو اپنے دل سے دور کرو اور اپنے آپ سے کہو کہ فلاں شخص مجھ سے عمر میں بڑا ہے یہ ایمان

لانے میں مجھ پر سبقت رکھتا ہے اور اس کے نیک عمل مجھ سے زیادہ ہیں۔ اگر وہ تم سے عمر میں چھوٹا ہو تو تم اپنے دل میں یہ خیال کرو کہ اس کی عمر مجھ سے کم ہے اسی لئے اس کے گناہ بھی مجھ سے کم ہیں، لہذا یہ مجھ سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ شخص تمہارا ہم عمر ہو تو تم اپنے دل میں یہ خیال پیدا کرو کہ مجھے اپنے گناہوں کا یقین ہے اور اس کے گناہوں کا شک ہے، لہٰذا یہ مجھ سے بہتر ہے۔ اور اگر تم کسی کو اپنا احترام کرتے ہوئے دیکھو تو تم میں تکبر اور خودپسندی کے جذبات پیدا نہیں ہونے چاہئیں تم اپنے دل میں کہو کہ اسلام ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ میرا احترام کرتے ہیں ورنہ مجھ میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص کو اپنے آپ سے بے اعتنائی کرتا ہوا پاؤ تو یہ سمجھو کہ یہ تمہارے گناہوں کی پاداش ہے۔

یاد رکھو اگر تم نے میری باتوں پر عمل کیا تو تمہارے دوست زیادہ اور دشمن کم ہوں گے۔ تم ان کی خوبیوں سے مستفید ہو سکو گے اور ان کی برائیوں سے محفوظ رہو گے۔" (بحار الانوار ج ١٦ ص ٤٤)

محمد بن مسلم کوفہ میں رہتے تھے اور بہت بڑے دولت مند شخص تھے۔ وہ مدینہ آئے تو امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا: "تم عاجزی اور تواضع اختیار کرو۔"

جب محمد بن مسلم کوفہ واپس گئے تو انہوں نے مسجد کوفہ کے دروازہ پر چٹائی بچھا کر کھجوریں بیچنا شروع کر دیں اور کھجور کے لئے آواز لگانے لگے۔ ان

کے خاندان والوں نے ان کا یہ کاروبار دیکھا تو جمع ہو کر ان کے پاس آئے اور کہا:
"آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ آپ نے تو ہمارے خاندان کی ناک کٹوادی ہے۔"

انہوں نے کہا: "مجھے میرے امامؑ نے عاجزی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنے سے میری جھوٹی انا کو ضرب لگتی ہے اور غرور و تکبر کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔"

ان کے خاندان والوں نے کہا: "اگر آپ کو کاروبار ہی کرنا ہے تو پھر لاکھوں کا کاروبار کریں اور پوری مارکیٹ پر چھا جائیں۔"

انہوں نے کہا: "میرا مقصد زیادہ منافع حاصل کرنا اور دولت جمع کرنا نہیں ہے میں چھوٹا موٹا کاروبار کر کے اپنے نفس امارہ کو شکست دینا چاہتا ہوں۔"

آخر میں انہوں نے آٹے کی ایک چکی خرید لی اور سارا دن چکی پر دانے پیسا کرتے تھے۔ (بحار الانوار ج ۱۶ ص ۱۵۵)

ہر حال میں متواضع رہیں

احمد بن محمد بزنطی کہتے ہیں کہ ایک رات میں اور صفوان بن یحییٰ اور محمد بن سنان اور عبداللہ بن مغیرہ امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم کچھ دیر امام عالی مقامؑ کے پاس بیٹھے پھر ہم نے واپس جانے کے لئے آپؑ سے اجازت طلب کی تو امامؑ نے سب کو اجازت دی مگر مجھے فرمایا: "احمد تم یہاں بیٹھے رہو۔"

میرے تمام دوست چلے گئے۔ میں امامؑ کے پاس بیٹھا رہا اور گفتگو کرتا رہا۔ میں سوال کرتا رہا اور امام جواب دیتے رہے اور یوں رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اب اپنے مولاؑ سے اجازت لے کر گھر جاؤں۔ اس وقت امام

علی رضاؑ نے فرمایا: "اس وقت گھر جاؤ گے یا یہاں سونا پسند کرو گے؟"

میں نے عرض کی: "جیسا آپؑ حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔"

امامؑ نے فرمایا: "اس وقت کافی دیر ہو چکی ہے لوگ سو چکے ہیں اور اس وقت تمہاری حویلی کے در پہ زنجیر لگی ہوگی بہتر یہی ہے کہ تم یہیں سو جاؤ۔"

میں وہاں لیٹا تو امامؑ زنانہ میں چلے گئے۔ میں سمجھا کہ امامؑ اب واپس یہاں نہیں آئیں گے۔ اس وقت میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر کے سر سجدہ میں رکھا اور کہا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے علوم انبیاء کے وارث کی نظر میں وہ مقام و مرتبہ عطا کیا جو میرے باقی دوستوں کو حاصل نہیں ہے۔ میں ابھی حالت سجدہ میں ہی تھا کہ امامؑ خلافِ توقع زنانہ سے باہر تشریف لائے اور پاؤں کی ٹھوکر سے مجھے متوجہ کیا۔ میں سجدہ سے اٹھ بیٹھا تو امام علی رضاؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا: "احمد! ایک مرتبہ امیر المؤمنین علیہ السلام صعصعہ بن صوحان کی عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے اور جب وہاں سے اٹھنے لگے تو فرمایا: "اے صعصعہ خبردار! میرے یہاں آنے کو اپنے باقی مؤمن بھائیوں پر ذریعہ افتخار نہ بنانا۔ خدا سے ڈرنا اور میری اس عنایت کو اپنی فضیلت کا سبب قرار نہ دینا۔"

یہ کہہ کر امام علی رضا علیہ السلام میرے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ (منتہی الامال ج ۲ ص ۲۳۹)

انکساری سے پیش آنے کا اجر

محدث نوری دارالسلام کی جلد دوم میں رقم طراز ہیں۔ مالیات کے ایک

حکومتی تحصیلدار نے ایک مرتبہ امیر المؤمنینؑ کے ایک زائر کو نجف اشرف میں زود کوب کیا اور اس بے چارے زائر کو اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا۔

زائر نے تحصیلدار سے کہا: "تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میں امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں تمہارے ظلم و ستم کی شکایت کروں گا۔"

تحصیلدار نے کہا: "میں تمہاری ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔"

زائر نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی قبر اطہر پر اس تحصیلدار کے ظلم و ستم کی شکایت کی اور کہا: "مولاؑ! میں آپ کا زائر اور مہمان ہوں، آپؑ کا حق بنتا ہے کہ آپؑ اپنے زائرین کو ظالموں سے بچائیں اور ظالموں کو سخت سزا دیں۔"

حرم امیر المؤمنین علیہ السلام میں کچھ ایسے زائر بھی موجود تھے جنہوں نے اس زائر کو اپنی آنکھوں سے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھا تھا ان سب نے آمین کہی۔ زائر صبح، ظہر اور نماز مغرب کے وقت امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں مسلسل یہی درخواست پیش کرتا رہا۔

رات کو سویا تو اس نے عالم خواب میں ایک عظیم الشان ہستی کو گھوڑے پر سوار دیکھا اور انہوں نے اس کا نام لے کر اسے آواز دی۔ زائر نے عالمِ خواب میں پوچھا کہ: "آپ کون ہیں؟"

تو انہوں نے کہا: "میں وہی ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے ہو، میں علی بن ابی طالبؑ ہوں۔"

زائر کہتا ہے جب میں نے یہ سنا تو چاہا کہ اپنے مقام سے اٹھ کر آپ کے قدموں کا بوسہ لوں۔ مگر انہوں نے فرمایا: "بس رک جاؤ۔"

اس کے بعد میرے پاؤں میں چلنے کی سکت نہ رہی۔ میں جہاں تھا وہیں

رک گیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: "تم نے فلاں شخص کی ہمارے پاس شکایت کی ہے؟"

میں نے عرض کی: "جی ہاں! اس نے مجھے آپؑ کی محبت کی وجہ سے اذیت دی ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "میری وجہ سے اسے معاف کردو۔"

میں نے کہا: "مولاؑ! میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

آپؑ نے تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے اور میں نے تینوں مرتبہ انکار کیا۔

صبح اٹھ کر زائر نے باقی زائرین کو اپنا خواب سنایا تو باقی زائرین نے کہا: "تمہیں چاہئے کہ تم اسے معاف کردو۔"

مگر زائر نے کہا: "میں اس ظالم کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔"

دوسرے دن زائر نے پھر رو رو کر اس ظالم کی شکایت کی۔ اس رات بھی مولا علی علیہ السلام کی اسے زیارت نصیب ہوئی اور آپؑ نے اسے معاف کرنے کے لئے کہا۔ مگر زائر نے معاف کرنے سے معذرت کی۔

تیسرے دن زائر نے مزید رو رو کر ظالم کے خلاف شکایت کی اور جب آپؑ نے فرمایا: "اے میرے زائر! مجھے سزا دینے میں دیر نہیں لگتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اسے معاف کردو کیونکہ میں اس کی ایک نیکی کا مقروض ہوں۔

ایک مرتبہ وہ بغداد کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اس کی نظر میرے قبہ پر پڑی تو وہ اپنی سواری سے احتراماً اترا اور جب تک میرا روضہ اسے نظر آتا رہا وہ پیدل چلتا رہا۔ اسی لئے میں اس کی اس نیکی کا مقروض ہوں۔ تم اسے معاف کردو۔ عنقریب اسے توبہ کی توفیق ملے گی اور وہ ہمارا سچا خادم بن جائے گا اور تم

پر جو اس نے ظلم کیا ہے میں قیامت کے دن تمہیں اس کا بدلہ دوں گا۔"

زائر نے خواب میں کہا: "مولا میں اب راضی ہوں۔"

صبح ہوئی تو وہی تحصیلدار اس زائر کو ملا اور پوچھا کہ: "تم نے شکایت تو کی ہوگی لیکن دیکھ لو مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری شکایت کسی نے نہیں سنی۔"

زائر نے کہا: "تم غلط سمجھتے ہو۔ امیر المؤمنین کو آج تک تمہاری ایک نیکی یاد ہے جس کی وجہ سے انہوں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔"

تحصیلدار نے تفصیل پوچھی تو زائر نے بتایا: "امیر المؤمنین نے مجھے بتایا ہے کہ ایک دفعہ یہ شخص ساوہ کے قصبہ سے بغداد جا رہا تھا کہ اس کی نظر میرے قبہ اطہر پر پڑی تھی تو یہ از روئے احترام اپنے گھوڑے سے اتر پڑا تھا اور جب تک میرا قبہ اسے نظر آتا رہا یہ پیدل چلتا رہا۔ اسی لئے امیر المؤمنین علیہ السلام مسلسل تین راتوں تک مجھے معاف کرنے کا مشورہ دیتے رہے۔"

جب تحصیلدار نے زائر کی زبانی یہ واقعہ سنا تو زائر کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور رو رو کر اپنی غلطی کی معافی مانگی اور اس نے ایک ہزار دینار زائرین میں تقسیم کئے اور تمام زائرین کو پر تکلف دعوت دی۔

بلندی کے لئے تواضع ضروری ہے

ایک شخص جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لئے آیا اور آپ کے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے آپ نے فرمایا: "کون؟"

تو اس نے کہا: "انَا" (میں ہوں۔)

اس وقت آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے فرمایا: "انَا" میں کہنے والا کون ہے؟ "انَا" کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے۔ اللہ کہتا ہے: "**انا الجبار، انا القهار، انا الخالق**" میں جبار ہوں، میں قہار ہوں، میں خالق ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے دو رسیاں مقرر کی ہیں ایک رسی زمین سے شروع ہو کر عرش تک جاتی ہے اور وہاں اس کا سرا ایک فرشتہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسری رسی زمین سے شروع ہو کر نیچے تحت الثریٰ تک جاتی ہے۔ جہاں اس کا سرا فرشتہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی شخص تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عرش والے فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ ہمارے بندہ نے انکساری اختیار کی ہے لہذا تم اسے بلند کرو۔ یہاں تک وہ اسے زمین سے کھینچ کر عرش پر پہنچا دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تحت الثریٰ والے فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ ہمارا بندہ اپنی اصلیت کو بھول چکا ہے اور وہ تکبر کرنے لگا ہے تم اسے اٹھا کر تحت الثریٰ کی پستی میں پہنچا دو۔ چنانچہ وہ فرشتہ اسے فرشِ زمین سے اٹھا کر پستیوں کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ (انوار نعمانیہ ص ۲۶۸)

وضاحت: دو رسیوں سے مراد ظاہری اور دکھائی دینے والی رسیاں نہیں ہیں۔ اس سے مراد وہ قوت ہے جو دونوں فرشتوں کے ہاتھ میں ہے۔

سعدی ...... بزمِ علماء میں

شیخ سعدی نے بوستان کے باب تواضع میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ

ایک مرتبہ ایک عالم اور دانشور پھٹا پرانا لباس پہن کر علماء کی محفل میں وارد ہوا اور ایک عالم کے قریب بیٹھ گیا۔ محفل میں موجود علماء اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگے، ان کی نگاہیں واضح طور پر یہ پیغام سنا رہی تھیں کہ تجھے بزمِ علماء میں اس طرح بیٹھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ سعدی کے بقول حالت یہ ہوئی:

نگہ کرد قاضی در او تیز تیز
معرّف گرفت آستینش کہ خیز

قاضی نے گھور گھور کر اسے دیکھا اور نوکر نے آکر اس کی آستین پکڑ کر کہا کہ اٹھو اور اسے حاضرین کی مجلس کے ایک کونے میں بٹھا دیا گیا۔

علماء نے ایک مسئلہ پر بحث شروع کی لیکن بحث میں ایسے الجھے کہ سرا کسی کے ہاتھ نہ آیا اور مسئلہ کسی طرح حل نہ ہوا۔ جب تمام علماء اس مسئلہ میں عاجز آگئے تو پھٹے پرانے لباس والے شخص نے اس مسئلہ پر بحث و گفتگو شروع کی اور اس کے تمام پہلوؤں پر اس انداز سے روشنی ڈالی کہ پورا مجمع عش عش کر اٹھا۔

یہ دیکھ کر قاضی نے اپنی دستار خادم کی ہاتھ بھیجی تاکہ اس گمنام عالم کے سر پر رکھی جائے مگر اس نے دستار اپنے سر پر سجانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے تکبر کے اس وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں نے تمہاری طرح سے یہ لباس زیب تن کر لیا تو میں بھی لوگوں کو حقیر سمجھنا شروع کر دوں گا۔

چون مولام خوانند و حبر کبیر
نمایند مردم بچشمم حقیر
تفاوت کند هرگز آب زلال؟
گرش کوزه زرین بودیا سفال

چه خوش گفت خر مهره ای در گلی
چو برداشتش پر طمع جاهلی
مرا کس نخوا هد خریدن بهیچ
بدیوانگی در حریرم مپیچ
نه منعم بمال ازکسی بهتراست
خرار جل اطلس بپوشد خراست

تشریح: جب مجھے بھی مولانا اور عالمِ کبیر کے نام سے پکارا جائے گا تو مجھے بھی لوگ حقیر نظر آنے لگیں گے۔

ٹھنڈا اور میٹھا پانی خواہ سنہری جام میں ہو یا مٹی کے پیالے میں، اس سے پانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی (انسان کے سر کو علم کی ضرورت ہے۔ مجھے تمہاری طرح سے اپنے سر کے لئے خوبصورت دستار کی ضرورت نہیں ہے۔)

مٹی میں پڑی ہوئی کوڑی نے اپنے اٹھانے والے جاہل لالچی سے کیا ہی خوب کہا تھا کہ بازار میں میرا کوئی خریدار نہیں ہے۔ لہذا بے وقوفی نہ کر اور مجھے ریشم میں مت لپیٹ کوئی شخص مال و دولت کی وجہ سے کسی سے بہتر نہیں ہوتا۔ گدھے کو اگر اطلس کی چادر بھی پہنائی جائے تو وہ پھر بھی گدھا ہی رہے گا۔

نو وارد عالم کی شیریں بیانی اور استدلال کو دیکھ کر پورا مجمع انگشت بدنداں رہ گیا اور پورا مجمع اس سے ہاتھ ملانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگا لیکن نو وارد نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ جانا اور فوراً وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

قاضی نے ان کے نام و نشان کی تحقیق کے لئے ایک شخص کو روانہ کیا۔ اس کے بعد کا حال سعدی کے اپنے الفاظ میں سنیں:

نقیب از پیش رفت و هر سو دوید
که مردی بدین نعت و صورت که دید
یکی گفت ازین نوع شیرین نفس
دراین شهر سعدی شنا سیم و بس

قاضی کا بھیجا ہوا نمائندہ ہر طرف گیا اور ہر سمت دوڑا اور لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے اس شکل و صورت کا آدمی دیکھا ہے؟

تو ایک شخص نے کہا کہ اس قسم کا شرین سخن شخص تو اس شہر میں صرف سعدی ہی ہے۔ اس کی علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

علیؑ نے اپنے لئے کیسا لباس پسند کیا؟

ایک مرتبہ امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے غلام قنبر کو ساتھ لے کر بازار تشریف لے گئے۔ آپؑ بازار سے پیراہن خریدنا چاہتے تھے۔

آپؑ نے دکاندار سے فرمایا: "مجھے دو پیراہن کی ضرورت ہے۔"

دکاندار نے کہا: "امیر المؤمنینؑ! آپ کو جس قسم کے پیراہن کی ضرورت ہے وہ میرے پاس موجود ہے۔"

جیسے ہی آپؑ نے محسوس کیا کہ دکاندار انہیں پہچانتا ہے تو آپؑ نے اس کی دکان کو چھوڑ دیا۔ ایک اور دکان پر تشریف لائے۔ جہاں دکاندار کا بیٹا خرید و فروخت میں مشغول تھا۔

آپؑ نے لڑکے سے دو پیراہن خریدے۔ ایک پیراہن تین درہم اور دوسرا پیراہن دو درہم میں خریدا۔ پھر آپؑ نے تین درہم والا پیراہن قنبر کو دیا

اور دو درہم والا پیراہن اپنے پاس رکھا۔

قنبر نے عرض کی: "مولا! بہتر یہ ہے کہ یہ پیراہن قیمتی ہے آپؑ اسے پہنیں کیونکہ آپ کو منبر پر بیٹھ کر وعظ و تقریر کرنی ہوتی ہے۔ مجھے کم قیمت پیراہن دے دیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "قنبر تم جوان ہو، لہذا تم قیمتی پیراہن پہنو اور میں بوڑھا ہوں مجھے یہی زیب دیتا ہے۔ مجھے اپنے آپ کو تم پر ترجیح دیتے ہوئے خدا سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ میں نے پیغمبر اسلامؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا:

البسوهم مما تلبسون واطعموهم مماتأكلون

جو تم خود پہنو وہی غلاموں کو پہناؤ اور جو غذا تم خود کھاؤ غلاموں کو بھی وہی غذا کھلاؤ۔"

پھر امیر المؤمنین علیہ السلام نے وہ پیراہن پہنا۔ اس کی آستین آپؑ کے ہاتھ سے لمبی تھی۔ آپؑ نے زائد حصہ کو کاٹ دیا اور فرمایا: "اس سے کسی ضرورت مند شخص کی ٹوپی بن سکتی ہے۔"

دکاندار لڑکے نے کہا: "اجازت دیں تو میں آپؑ کی آستین سی دوں۔"

آپؑ نے فرمایا: "زمانہ کی گردش آستین سینے سے زیادہ تیز ہے۔"

آپؑ دو پیراہن خرید کر واپس چلے آئے کچھ دیر بعد دکاندار آپؑ کے پاس آیا اور عرض کی: "مولا! معافی چاہتا ہوں دکان پر میرا بیٹا خرید و فروخت کر رہا تھا اس نے آپؑ کو پہچانا نہیں تھا، لہذا اس نے آپؑ سے دو درہم منافع لیا ہے، آپؑ یہ دو درہم واپس لے لیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہم نے قیمت کے متعلق

تمہارے لڑکے سے مول تول کر لی تھی اور اس مقدار پر ہم دونوں راضی ہو گئے تھے، لہذا تمہیں دو درہم واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" (بحار الانوار ج ۹ صفحہ ۵۰۰)

مہاجرین حبشہ کا بیان سنیں

جس زمانہ میں حضرت جعفر طیار دوسرے مہاجرین کی ساتھ حبشہ میں قیام پذیر تھے تو ایک دن نجاشی نے حضرت جعفر کو اپنے ہاں بلایا۔

جناب جعفر طیار اپنے ساتھیوں سمیت نجاشی کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ نجاشی نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور خاک پر بیٹھا ہوا ہے۔

نجاشی کی یہ حالت دیکھ کر مہاجرین پریشان ہو گئے۔ نجاشی نے کہا کہ:
"میرا ایک جاسوس ہے جس کا تعلق بنی ضمرہ سے ہے۔ اس نے مجھے خبر سنائی ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو دشمنوں پر فتح عطا فرمائی ہے اور فلاں فلاں مشہور کافر قتل ہوئے ہیں اور فلاں فلاں کو لشکر اسلام نے اپنا قیدی بنا لیا ہے اور یہ واقعہ جنگ بدر کے مقام پر واقع ہوا ہے۔"

یہ سن کر جعفر طیار نے کہا: "پھر آپ نے پرانا لباس کیوں پہن لیا ہے اور آپ خاک پر کیوں بیٹھے ہیں؟"

نجاشی نے کہا: "ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب بھی اللہ کی طرف سے تم کو مسلسل نعمت ملے تو تمہیں مسلسل انکساری کرنی چاہئے۔ اللہ نے مجھے محمدؐ جیسا نبی عطا کیا ہے اور اللہ نے اسے دشمنوں پر فتح دی ہے اسی نعمت کے شکرانہ کے طور پر میں انکساری کر رہا ہوں۔"

جب پیغمبر اکرمؐ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو ارشاد فرمایا: "ان الصدقة تزید صاحبها کثرة فتصدقوا یرحمکم اللّٰہ وان التواضع صاحبه رفعة فتواضعوا یرفعکم اللّٰہ وان العفو یزید صاحبه عزا فاعفوا یعزکم اللّٰہ"

"صدقہ دولت و ثروت کے اضافہ کا سب ہے تم صدقہ دو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ تواضع بلندی کا سبب ہے تم تواضع کرو اللہ تمہیں بلندی دے گا اور عفو و درگزر عزت کا سبب ہے تم عفو و درگزر کرو اللہ تمہیں عزت دے گا۔"

وضاحت: حبشہ کے بادشاہوں کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ یہاں نجاشی سے مراد وہ بادشاہ ہے جس نے مہاجرین حبشہ کو پناہ دی تھی اور فتح مکہ سے قبل رسول مقبولؐ پر ایمان لایا تھا۔ اس کا اصلی نام اصحمہ بن بحر تھا۔ جب اس کی وفات ہوئی تو پیغمبر خداؐ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی تھی۔ محدثین لکھتے ہیں کہ جنازہ کے وقت جبرئیل امین نے نجاشی کا جنازہ حضورؐ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

ایاز اپنی حیثیت کو پہچان

ایاز ایک غلام تھا جسے سلطان محمود غزنوی نے بازار سے خریدا تھا۔ ایاز کے مخفی جوہر آہستہ آہستہ سلطان کے سامنے کھلتے گئے تو اس نے ایاز کو اپنا مقرب بنالیا یہ قربت اتنی بڑھی کہ اس کے باقی وزراء و امراء ایاز سے حسد کرنے لگے۔

ایاز کا اصول تھا کہ وہ روزانہ سلطان کے دربار سے اٹھ کر اپنے ایک مخصوص کمرے میں آتا اور کچھ وقت وہاں گزار کر اپنے محل میں آتا تھا اور وہ اپنے مخصوص کمرے میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔

حاسد وزیروں نے سلطان سے شکایت کی کہ: "ایاز آپ کی برائی کا خواہاں

ہے۔ اس نے اپنے لئے ایک علیحدہ کمرہ بنایا ہوا ہے جہاں وہ کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ اس کمرے میں بیٹھ کر آپ کے مخالفین سے خط و کتابت کرتا رہتا ہے۔"

یہ سن کر سلطان نے کہا: "آج ہم اس کے کمرے کو اندر سے دیکھیں گے۔"

جب ایاز دربار سے اٹھ کر چلا تو وہ حسبِ معمول اس کمرہ کی طرف گیا۔

جب وہ کمرہ میں کھڑا تھا تو سلطان نے اس کے دروازہ پر دستک دی اور کہا: "ایاز دروازہ کھولو۔"

سلطان کی آواز سن کر ایاز نے دروازہ کھولا تو سلطان یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس نے پھٹا پرانا لباس پہنا ہوا تھا اور قد آدم شیشے کے سامنے کھڑا اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔

سلطان نے ایاز سے پوچھا کہ: "ایاز یہ کیا ہو رہا ہے؟"

تو وفادار غلام نے کہا کہ: "آپ نے مجھے بے حد عزت سے نوازا ہے کبھی کبھی میرا نفس سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے میں روزانہ اس کمرہ میں آکر اپنا دورِ غلامی کا لباس پہن لیتا ہوں اور اس آئینہ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے آپ سے کہتا ہوں: "ایاز اپنی حیثیت کو پہچان لے۔" تو اس طرح میرے ذہن سے تکبر و غرور دور ہو جاتا ہے۔" (مثنوی مولوی سے اقتباس)

ایاز کی اس مثال کو سامنے رکھ کر ہم بھی عبرت حاصل کریں کہ ہماری اصلیت کیا ہے اور ہم اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہیں۔

ایک وہ وقت تھا کہ ہم بالکل ذرہ ناچیز تھے اور پھر نطفہ کی شکل میں رحم

مادر میں داخل ہوئے اور خون میں غوطہ زن رہے اور ہماری تخلیق اس نطفہ گندیدہ سے ہوئی جس سے انسانی طبیعت نفرت کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن نے انسان کو اس کی اصلیت یاد دلائی ہے اور فرمایا: "**فلینظر الانسان مما خلق خلق من مآء دافق یخرج من بین الصلب والترائب**" (سورۃ الطارق)

انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا۔ وہ ایک ٹپکتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا جو باپ کی پشت اور ماں کی ہڈیوں سے بر آمد ہوتا ہے۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب ہم نے شکم مادر سے زمین پر قدم رکھا اس وقت ہم اتنے عاجز تھے کہ رونے کے سوا کچھ بھی کرنے کی قابل نہ تھے۔ مکمل طور پر بے بس اور مکمل طور پر لاعلم تھے۔ قرآن نے انسان کو اس کا وہ وقت بھی یاد دلایا ہے: "**اخرجکم من بطون امھاتکم لاتعلمون شیئا فجعل لکم السمع والابصار والا فئدۃ**" اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے بر آمد کیا، تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، تمہارے علم کے لئے اس نے کان آنکھیں اور دل بنائے۔"

اہلبیتؑ کا کردار بھی ایسا ہی ہے۔ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک بد صورت بادیہ نشین کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور اٹھتے وقت فرمایا: "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔"

کسی نے امام سے کہا: "آپؑ جیسی شخصیت کو ایک بد صورت اور گمنام شخص سے باتیں کرنے اور اس کی ضرورت پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

فقال: عبد من عبید اللہ واخ فی کتاب اللہ وجار فی بلاد اللہ یجمعنا وایاہ خیر الاباء ادم و افضل الادیان الاسلام ولعل الدھر یرد من حاجتنا الیہ فیردنا بعد الزھو علیہ متواضعین بین یدیہ۔

آپؑ نے جواب میں فرمایا: "اس سے نفرت کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے اور کتاب اللہ میں وہ ہمارا بھائی ہے۔ اور اللہ کے ملک میں وہ ہمارا ہمسایہ ہے۔ باپ کے اعتبار سے وہ ہمارے باپ آدم کا بیٹا ہے اور دین کے لحاظ سے وہ ہمارے بہترین دین اسلام کا پیروکار ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ انقلاب زمانہ کے تحت کسی روز ہم بھی اپنی حاجات اس کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو جائیں اور آج تو ہم اس کے مقابلہ میں تکبر کریں اور کل ہم اس کے سامنے عاجز و بے بس نظر آئیں۔"

آج کے انسان کو چاہئے کہ وہ دانائے راز علیؑ سے اپنی قدر و قیمت سنے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "**عجبت لمن كان اوله نطفة واخره جيفة وما بين ذلك حامل العذرة كيف يتكبر.**

مجھے تعجب ہے اس پر جس کا آغاز نطفہ اور جس کا انجام مردہ ہے اور آغاز و انجام کے درمیان وہ نجاست اٹھائے پھرتا ہے۔ وہ کیسے تکبر کر سکتا ہے؟"

تواضع و انکساری سے آپ دوسروں کے دلوں میں اپنے لئے محبت پیدا کر سکتے ہیں اور یوں آپ کے الجھے ہوئے مسائل چشم زدن میں حل ہو سکتے ہیں۔

چند روایات

فی وصایا النبی لامیر المؤمنین: یا علی واللہ لو ان الوضیع فی قعر بئر لبعث اللہ الیہ ریحا یرفعہ فوق الاخیار فی دولۃ الاشرار.

"سفینہ لفظ تواضع"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو کچھ

وصیتیں فرمائی تھیں جن میں ایک وصیت یہ تھی: "یا علیؑ! تواضع کرنے والا شخص کنوئیں کی گہرائی میں بھی کیوں نہ پڑا ہو تو بھی اللہ اس کے لئے ہوا چلائے گا جو اسے ستم گروں کی حکومت میں ممتاز لوگوں سے بھی بلند کرے گی۔"

واعتمدو اوضع التذلل على رؤسكم والقاء التعزز تحت اقدامكم وخلع التكبر من اعناقكم واتخذو التواضع مسلحة بينكم و بين عدو كم ابليس وجنوده فلو رخص الله فى الكبر لاحد لرخص فيه لخاصة انبيائه واوليائه و لكنه سبحانه كره لهم التكا برورضى لهم التواضع فالصقوا بالارض خدودهم و عفروا فى التراب وجوههم و خفضوا اجنحتهم للمؤمنين.......

عاجزی و انکساری کو سر کا تاج بناؤ۔ تکبر اور خود خواہی کو پیروں تلے روندو اور تکبر اور رعب و دبدبہ کا طوق گردن سے اتارنے کا مضبوط عزم کر لو۔ اپنے اور اپنے دشمن شیطان اور اس کی فوج کے درمیان عاجزی اور انکساری کا مورچہ قائم کرو۔ اگر خداوند عالم اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی تکبر و رعب کی اجازت دے سکتا ہوتا تو وہ اپنے مخصوص انبیاء و اولیاء کو اس کی اجازت دیتا لیکن اس نے ان کو کبر و غرور سے بیزار ہی رکھا اور ان کے لئے عجز و انکساری ہی کو پسند کیا۔

چنانچہ انہوں نے اپنے رخسار زمین سے پیوستہ اور چہرے خاک آلود رکھے اور مؤمنین کے آگے تواضع و انکسار سے جھکتے رہے۔ وہ دنیا میں کمزور و بے بس تھے۔

"نہج البلاغہ: خطبہ قاصعہ سے اقتباس"

عن ابی عبداللہؑ قال: مرعلی بن الحسین علیهما السلام على المجذومين وهوراكب حماره وهم يتغدون فدعوه الى الغداء فقال اماانى لولاانى صائم

لفعلت فلما صارالی منزله امر بطعام فضع و امران یتنو قوافیه ثم دعاهم فتفدوا عنده و تفدی معهم.

"الکافی ج ۲ صفحہ ۱۲۲"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "امام علی زین العابدین علیہ السلام کا گزر جذامیوں کی جماعت سے ہوا، اس وقت آپؑ گدھے پر سوار تھے۔ جذامی کھانا کھا رہے تھے انہوں نے آپؑ کو کھانا کھانے کی دعوت دی۔ آپؑ نے فرمایا اگر میں حالتِ روزہ میں نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ ضرور شرکت کرتا۔ جب آپؑ گھر پہنچے تو آپؑ نے ان کے لئے پر تکلف کھانا تیار کرایا۔ پھر آپؑ نے انہیں دعوت دی اور ان کے ساتھ آپؑ نے بھی بیٹھ کر کھانا تناول کیا۔"

عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال: من التواضع ان ترضٰی بالمجلس دون المجلس وان تسلم علی من تلقّٰی و ان تترك المراء وان كنت محقا و ان لاتحب ان تحمد علی التقویٰ.

"الکافی ج ۲ صفحہ ۱۲۲"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تواضع کی علامت یہ ہے کہ تم محفل کے آخری حصے میں بیٹھنے پر راضی رہو اور ہر ملنے والے کو سلام کرو اور تم حق پر ہونے کے باوجود بحث و مجادلہ سے گریز کرو اور تمہیں اپنی پرہیز گاری کی تعریف سننا پسند نہ ہو۔"

قال عیسٰی بن مریم للحواریین لی الیکم حاجة اقضو هالی فقالوا قفینا حاجتك یا روح الله فقام فغسل اقدامهم . فقالوا كنا احق بهذا منك ، فقال احق الناس بالخدمة العالم انما تواضعت هكذا لكی ماتتواضعوا بعدی فی الناس كتواضعی لكم ثم قال عیسٰی بالتواضع تعمرالحكمة لا بالتكبرو كذلك فی السهل ینبت

لا فی الجبل.

"وسائل جہاد نفس صفحہ ۵۰۵"

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا: "تم سے مجھے ایک حاجت ہے۔"

حواریوں نے کہا: "ہم آپؑ کی حاجت پوری کریں گے۔"

آپ اٹھے اور ان سب کے پاؤں دھوئے۔

حواریوں نے کہا: "ہمارا حق بنتا تھا کہ ہم آپؑ کے پاؤں دھوتے، آپؑ نے یہ کیا زحمت فرمائی ہے؟"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے اس لئے تمہارے پاؤں دھوئے ہیں تاکہ تم بھی میرے بعد لوگوں کے پاؤں دھوؤ۔ عالم کو چاہئے کہ وہ تواضع کی ابتدا کرے۔ میرے بعد تم بھی میری طرح سے تواضع کرنا۔"

پھر آپؑ نے فرمایا: "تواضع سے ہی دانش و حکمت کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے تکبر سے نہیں۔ کیونکہ پیداوار نرم زمین میں ہوتی ہے پہاڑ پر نہیں ہوتی۔"

باب دوم

تکبر و خود پسندی کی مذمت

مکھی کیوں پیدا ہوئی؟

ایک دن منصور دوانیقی تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے جسم پر آکر ایک مکھی بیٹھ گئی۔ منصور نے اسے اڑایا تو وہ اس جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس نے پھر اڑایا تو وہ کسی اور جگہ بیٹھ گئی۔ منصور مکھی کو اڑا اڑا کر بہت تنگ آگیا۔ مگر مکھی نے منصور کے جسم سے اٹھنا گوارا نہ کیا۔

منصور نے کہا: "اگر اس وقت کوئی عالم ہمارے ملنے کے لئے موجود ہو تو اسے میرے پاس لایا جائے۔"

اتفاق سے مقاتل بن سلیمان موجود تھے، انہیں منصور کے پاس لایا گیا تو منصور نے کہا: "ہر چیز کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے، آپؒ مجھے بتائیں کہ مکھی کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟"

مقاتل نے فوراً کہا کہ: "اللہ نے ظالم اور ستم گر لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے مکھی کو پیدا کیا۔"

منصور یہ جواب سن کر سخت شرمندہ ہوا۔ (تتمۃ المنتہیٰ صفحہ ۱۱۹)

شیطان کی بات سن لیں

طوفان نوح کے بعد جب نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی تو ابلیس لعین حضرت نوح علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپؑ نے مجھے کئی سالوں تک کے لئے محنت و مشقت سے بچالیا آپؑ نے گناہ گاروں کے لئے بددعا کر کے کچھ عرصہ کے لئے مجھے آرام کا وقفہ دیا ہے۔ میں اس احسان پر آپؑ کا ممنون ہوں اور آپؑ کو اس کے بدلہ میں تین نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: "لعین! تو میرا کبھی بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتا اسی لئے مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ: "نوحؑ! اس لعین کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ اس وقت آپؑ کو صحیح بات بتانے کے لئے آیا ہے۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: "بیان کر! تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

ابلیس نے کہا: "میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ تکبر سے ہمیشہ پرہیز کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدمؑ کے سجدے کا حکم دیا تھا تو میں نے تکبر کیا تھا اور سجدہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں اس دن تکبر نہ کرتا تو بزم ملائکہ سے مجھے نہ نکالا جاتا اور میں لعین نہ ہوتا۔

میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ حرص کے قریب نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ آدمؑ کے لئے ساری جنت مباح کی تھی، پوری جنت میں صرف ایک درخت ایسا تھا جس سے منع کیا گیا۔ آدمؑ نے حرص سے کام لیا اور ممنوعہ درخت کے پاس چلے گئے اگر آدم حرص نہ کرتے تو انہیں جنت سے نہ نکالا جاتا۔

اور تمہیں تیسری نصیحت یہ ہے کہ غیر عورت کے ساتھ کبھی تنہا نہ بیٹھنا۔ جہاں بھی دو مرد و عورت اکیلے بیٹھے ہوں تو وہ در حقیقت اکیلے نہیں ہوتے اس مقام پر تیسرا میں ہوتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نوحؑ! اس لعین کی ان تینوں باتوں کو قبول کرو۔ اس کی یہ باتیں خیر خواہی پر مبنی ہیں۔" (انوار نعمانیہ صفحہ ۸۱)

تنگ دستی بہتر ہے یا مغرور کن دولت؟

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دولت مند شخص صاف ستھرے کپڑے پہن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں ایک غریب صحابی پھٹے پرانے کپڑے پہن کر حضور کی خدمت میں آیا اور اس دولت مند شخص کے قریب بیٹھ گیا۔

دولت مند نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے۔ یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت مند سے فرمایا: "اسے دیکھ کر تم نے جو اپنے کپڑے سمیٹے ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کی غربت تمہیں چمٹ جائے گی؟"

اس نے کہا: "نہیں"۔

تو آپؐ نے فرمایا: "تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری دولت اس کے پاس چلی جائے گی؟"

اس نے کہا: "نہیں"۔

پھر آپؐ نے فرمایا: "جب ان دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں ہے تو تم نے اسے دیکھ کر اپنے کپڑے کیوں سمیٹے؟"

اس نے کہا: "یارسول اللہ! دراصل میرا نفس امارہ برائی کو میرے لئے زینت بنا کر پیش کرتا ہے اور نیکی کو معیوب بنا کر اس سے نفرت دلاتا ہے۔"

پھر اس دولت مند شخص نے کہا: "یارسول اللہ! واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے میں اس کی تلافی کے لئے اس غریب کو اپنی آدھی دولت دیتا ہوں۔"

غریب نے کہا: "مجھے منظور نہیں ہے۔"

رسول خداؐ نے فرمایا: "کیا وجہ ہے تم اس کی دولت قبول نہیں کرتے؟"

غریب نے کہا: "یارسول اللہ! اگر میں نے اس کی دولت قبول کرلی تو میں بھی اس کی طرح مغرور بن جاؤں گا۔"

محترم کون اور ذلیل کون؟

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ ایک عربی کا جھگڑا ہوگیا، عربی نے ازراہِ تکبر سلمانؓ سے کہا کہ: "تیری حیثیت ہی کیا ہے؟"

یہ سن کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا: "اما اولی واولك نطفة قذرة واما آخری و آخرك جيفة فتنة فمن ثقلت موازينه فهوالكريم ومن خفت موازينه فهواللئيسم"

تیری اور میری دونوں کی ابتدا نجس نطفہ ہے اور تیری اور میری انتہا بدبودار مردار ہے۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا آخرت میں بھاری ہو وہ محترم اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوا وہ ذلیل ہے۔"

تکبر کی انتہا

جنگ بدر میں ایک مجاہد عمر بن جموح نے ابو جہل پر حملہ کیا۔ عمرو بن جموح نے ابو جہل کی ران پر تلوار کا وار کیا اور ابو جہل نے اس کے بازو پر تلوار ماری جس سے صحابی کا بازو کٹ گیا، مگر تھوڑی سی کھال جڑی ہونے کی وجہ سے ان کا بازو لٹکنے لگا۔ عبداللہ بن مسعود دوڑ کر آئے اس وقت ابو جہل خون میں لت پت تھا۔

عبداللہ نے ابو جہل کو گرا کر اس کے سینہ پر قدم رکھا اور کہا کہ : "اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے رسوا کیا۔"

ابو جہل نے کہا : "تو غلط کہتا ہے خدا نے تجھے رسوا کیا ہے، بتاؤ آج حکومت کس کی ہے ؟"

عبداللہ بن مسعود نے کہا : "آج اللہ اور اس کے رسولؐ کی حکومت ہے۔"

ابو جہل نے کہا : "ہائے میری بد نصیبی کہ ایک چرواہا میرا قاتل بن رہا ہے۔ کاش آج ابو طالب کا بیٹا مجھے قتل کرتا تو میرے لئے اعزاز ہوتا۔"

پھر اس نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ : "میرے سینہ سے اتر جا کیونکہ تو نے ایک بلند وبالا مقام پر قدم رکھا ہے۔"

عبداللہ بن مسعود نے کہا : "لعین! تیار ہو جا میں تجھے قتل کرتا ہوں۔"

یہ سن کر ابو جہل نے کہا : "اچھا اگر یہی مقدر ہے تو پھر میری گردن کو کندھوں سے جدا کرنا تا کہ جب محمد کے سامنے ہماری برادری کے باقی سر جائیں اور میرا بھی سر جائے تو چونکہ بالآخر میں سردار ہوں، لہذا میری گردن لمبی ہونی چاہئے اور میں مقتولین میں بھی ممتاز نظر آؤں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا : "ملعون! اس وقت بھی تیرے ذہن سے تکبر ختم نہیں ہوا۔ میں تیری گردن کو تیرے منہ کے پاس سے کاٹوں گا تا کہ تمام مقتولین کے سروں کی بہ نسبت تیرا سر چھوٹا نظر آئے۔"

پھر عبداللہ بن مسعود نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔

نبی کریمؐ نے اس بدترین دشمنِ اسلام کے سر کو دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

ایک کتا سلطان کا کھانا لے اڑا

امیر احمد بن اسماعیل سامانی اور عمرولیث کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں امیر احمد کے پاس بارہ ہزار فوج تھی اور عمرولیث کے پاس باقاعدہ فوج ستر ہزار تھی اور رضاکار فوج اس کے علاوہ تھی۔

آغازِ جنگ سے قبل باورچی خانہ کا سربراہ عمرولیث کے پاس آیا اور کہا کہ : "کھانا تیار ہے آپ پہلے کھانا کھالیں۔"

لیکن عمرولیث نے جسے اپنی فوج کی کثرت پر گھمنڈ تھا کہا کہ : "دشمن کے پاس تھوڑی سی فوج ہے۔ پہلے ہم اسے شکست دیں گے اور اس کے بعد سکون سے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور امید ہے کہ اس جنگ کا فیصلہ ایک یا دو گھنٹوں میں ہو جائے گا۔"

صفیں تیار ہوئیں جنگ شروع ہو گئی۔ اتفاق سے عمرولیث جس گھوڑے پر سوار تھا وہ گھوڑا بے قابو ہو گیا اور دوڑتے دوڑتے امیر احمد سامانی کے لشکر میں پہنچ گیا۔ امیر احمد سامانی کی فوج نے عمرولیث کو گرفتار کر لیا اور جب عمرولیث کی فوج

نے اپنے بادشاہ کی گرفتاری کی خبر سنی تو انہوں نے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کیا۔ امیر احمد نے حکم دیا کہ عمرو لیث کو گھوڑوں کے اصطبل میں قید کر دیا جائے۔

پورے تین دن تک امیر احمد سامانی کی فوج جشن فتح مناتی رہی اور عمرو لیث کو کسی نے ایک لقمہ تک کھانے کے لئے نہ دیا۔

تیسرے دن عمرو لیث کو اپنا ایک پرانا نوکر نظر آیا جو کہ اسے چھوڑ کر امیر سامانی کے دربار سے ملحق ہو چکا تھا۔ عمرو لیث نے اسے آواز دے کر بلایا اور کہا کہ خدا کا خوف کرو، تین دن سے میں نے کچھ نہیں کھایا، میرے لئے کھانا لاؤ۔

کچھ دیر بعد وہ نوکر ایک دیگچی اصطبل میں لے کر آیا اور دیگچی زمین پر رکھ کر کہا کہ ابھی کچھ دیر انتظار کریں میں کوئی برتن لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر نوکر برتن لینے چلا گیا۔

اتنے میں ایک کتا آیا اور دیگچی میں منہ مار کر کھانا کھانے لگا۔ جب تھوڑی دیر بعد نوکر آیا اور کتے کو دیگچی میں منہ مارے کھانا کھاتے دیکھا تو اس نے زور سے کتے کو ڈانٹا۔ کتے نے دیگچی سے منہ نکال کر بھاگنا چاہا تو اس کا منہ دیگچی میں پھنس گیا اور وہ دیگچی کو لے کر دوڑتا ہوا چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو لیث ہنسنے لگا۔

امیرِ اصطبل نے اس سے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: ”میں گردشِ ایام اور انقلابِ زمانہ کو دیکھ کر ہنس رہا ہوں تین روز قبل ہمارے پاس باورچی خانہ کے سامان سے تین سو اونٹ لدے ہوئے تھے اور آج حالت یہ ہے کہ تین دن کے بعد کھانا آیا اور اسے بھی کتا لے اڑا۔“

غرور کا سر نیچا

۴۶۵ ہجری میں سلطان الپ ارسلان نے پورے ایران کو فتح کیا۔ ایران کے بعد اس نے ماوراء النہر کو فتح کرنے کا قصد کیا اور دریائے جیحون عبور کر کے اس نے قلعہ رزلم کو فتح کیا۔

اس قلعہ کے محافظ یوسف کوتوال خوارزمی کو سلطان ارسلان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے یوسف سے چند سوالات کئے۔ جن کے جواب یوسف نے بڑی تیزی اور تختی سے دیئے۔

سلطان نے حکم دیا کہ اس گستاخ کو سخت ترین سزا دی جائے تاکہ اس کا دماغ صحیح ہو جائے۔

اتنے میں یوسف کوتوال نے اپنے موزے سے ایک چھری نکال کر سلطان پر حملہ کر دیا۔ سلطان کے محافظ اس کو روکنے کے لئے آگے بڑھے تو سلطان نے تمام محافظوں کو حکم دیا کہ وہ اسے کچھ نہ کہیں۔ سلطان اکیلا ہی اس سے نمٹ لے گا۔ سلطان کو اپنی تیر اندازی پر بڑا ناز تھا اور وہ دشمن کو اہمیت دینے پر تیار نہ تھا۔ سلطان نے اپنی ترکش سے تین تیر نکال کر اس کی طرف پھینکے مگر تینوں تیر خطا گئے۔ اتنے میں سلطان نے چاہا کہ تخت چھوڑ کر اس سے دست بدست لڑائی کرے۔ تخت سے اترنے لگا کہ اس کا قمیض تخت کے ایک سرے میں پھنس گیا اتنے میں یوسف کوتوال نے قریب ہو کر اس پر اپنی چھری کے پے در پے وار کئے۔ سلطان کا وفادار سعد الدولہ سلطان کو بچانے کے لئے آگے بڑھا تو اسے بھی چھری کے زخم لگے۔ چند سپاہیوں نے بڑھ کر مشکل سے یوسف کوتوال کو پکڑا۔ لیکن وہ سلطان کو شدید زخم لگا چکا تھا۔

اس دن سلطان نے مرنے سے پہلے کہا: "آج کا دن میرے لئے بڑا منحوس تھا کیونکہ اس دن میں دو مرتبہ خودپسندی کا شکار ہوا۔ جب کہ آج سے پہلے میرے اندر اتنی خودپسندی کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ میں اس وقت خودپسندی کا شکار ہوا جب میں نے ٹیلے پر کھڑے ہو کر اپنی فوج کا معائنہ کیا تو میں نے بڑے غرور سے کہا کہ دنیا میں مجھے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ میں ناقابل تسخیر ہوں اور پھر دوسری مرتبہ میں اس وقت خودپسندی میں مبتلا ہوا جب یوسف کوتوال نے مجھ پر حملہ کیا تو میں نے اپنی قوت بازو پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے محافظوں کو روک دیا اور کہا کہ میں تن تنہا اس سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ چنانچہ یہی خودپسندی مجھے لے ڈوبی۔"

آخرکار اس ضربت کی وجہ سے سلطان کی وفات ہوگئی اور اسے شہر مرو میں دفن کیا گیا۔ (اخلاق روحی صفحہ ۳۰۵)

سلیمان بن عبدالملک اموی کی خودپسندی

سلیمان بن عبدالملک بنی امیہ کا بڑا صاحب جبروت بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دفعہ اس نے جمعہ کے دن نیا لباس پہنا، اپنے آپ کو معطر کیا اور اپنے عماموں کا صندوق منگوایا۔ ایک عمامہ کو دیکھتا پھر ناپسند کر کے اسے رکھ دیتا۔ پھر دوسرا عمامہ دیکھتا اور اسے بھی اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے رکھ دیتا آخر سینکڑوں عماموں میں سے اس نے ایک دستار پسند کی اور اسے سر پہ باندھا۔

غرض یہ کہ پوری طرح سج دھج کر بڑے کروفر سے منبر پر آیا اور دوران خطبہ اس نے کہا: "انا الملک الشاب السید المهاب الکریم الوهاب" میں

نوجوان بادشاہ ہوں اور ہیبت والا سردار ہوں اور میں سخی اور بے حد بخشنے والا ہوں۔"

اس کے بعد اس نے خطبہ ختم کیا اور اپنے محل میں واپس آگیا۔ محل میں اسے ایک کنیز نظر آئی تو اس نے کہا کہ: "بتاؤ ہم کیسے لگ رہے ہیں؟"

کنیز نے کہا: "اگر شاعر کا یہ شعر نہ ہوتا تو آپ لاجواب تھے۔"

سلیمان بن عبدالملک نے پوچھا: "کونسا شعر؟"

کنیز نے یہ شعر پڑھا:

انت نعم المتاع لو کنت تبقی

غیر ان لا بقاء للانسان

اگر تو باقی رہنے والا ہوتا تو تو اچھی جنس اور اچھا سرمایہ تھا۔ مگر افسوس کہ انسان کو بقا میسر نہیں ہے۔

کنیز کی زبانی یہ شعر سن کر سلیمان رونے لگا اور دن بھر روتا رہا۔ شام کے وقت سلیمان نے کہا کہ فلاں کنیز کو ہمارے سامنے لایا جائے۔ وہ کنیز حاضر ہوئی تو سلیمان نے کہا کہ: "تو نے یہ شعر کیوں پڑھا؟"

کنیز نے بتایا کہ: "آج پورا دن میں نے تو آپ کو دیکھا تک نہیں، میں یہ شعر کیسے پڑھ سکتی ہوں؟ دوسری کنیزوں نے بھی اس کے بیان کی تصدیق کی۔"

سلیمان نے گھر میں موجود تمام کنیزوں کو بلایا۔ سب نے وہ شعر سنانے سے انکار کر دیا۔ سلیمان سمجھ گیا یہ دراصل ایک غیبی اشارہ تھا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد سلیمان مرگیا۔ اس کی بادشاہت اسے موت سے نہ بچا سکی۔

خود پسندی کی وجہ سے لشکر اسلام کو شکست ہوئی

جب رسول خدا نے مکہ فتح فرمایا تو بنی ہوازن کو کسی نے اطلاع دی کہ رسول خداؐ ان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بنی ہوازن کے سردار، مالک بن عوف کے پاس آئے اور کہا: "ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں، آپؐ اپنے جنگی تجربوں کو کام میں لاکر مسلمانوں کو شکست دیں۔"

مالک بن عوف نے کہا: "تم لوگ اپنے بیوی بچوں کو بھی اپنے ہمراہ لے کر آؤ اور اس کے ساتھ اپنے مال مویشی اور سونا چاندی بھی گھروں سے لے کر نکلو تاکہ تمہیں پیچھے کا کوئی خیال نہ رہے اور یکسوئی سے جنگ لڑ سکو۔"

بنی ہوازن اپنے بیوی بچوں اور تمام مویشیوں اور سونا چاندی کو ساتھ لے کر اس کے پاس آئے اور اپنا لشکر لے کر اوطاس کے مقام پر جمع ہوئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی ہوازن کے اجتماع کی خبر ہوئی تو آپؐ نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور ان سے نصرت و غنیمت کا وعدہ فرمایا۔

بارہ ہزار کا لشکر اس جنگ کے لئے روانہ ہوا، جن میں دس ہزار وہ صحابہ تھے جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے جوان تھے۔

آپ نے ایک بڑا علم تیار کیا اور امیر المؤمنین علیہ السلام کو سالارِ لشکر بنایا۔

جب مسلمانوں نے اپنی جمعیت کو دیکھا تو اپنی کثرت پر ناز کرنے لگے اور حضرت ابوبکر نے جب لشکر اسلام کی کثرت کو دیکھا تو کہا: "لن نغلب الیوم" آج ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔"

ادھر مالک بن عوف نے بنی ہوازن کو کہا کہ: "وہ اپنے بیوی بچوں کو آخر میں رکھیں اور خود پہاڑ کے دونوں اطراف دروں میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور صبح

دم جیسے ہی محمد کا لشکر درّے میں نمودار ہو تو اس پر اچانک ہلہ بول دیں۔ اس طرح سے تم کامیابی حاصل کر لو گے کیونکہ تم سے پہلے محمد کی کسی جنگجو قبیلہ سے مڈ بھیڑ نہیں ہوئی۔"

پیغمبر اسلامؐ نے فجر کی نماز ادا کی اور اوطاس کے درہ میں داخل ہوئے۔ درہ کے ساتھ والی زمین نشیب کی طرف مائل تھی۔ اسلامی لشکر کی اگلی صف میں بنو سلیم کے جوان تھے۔ اسلامی لشکر جیسے ہی درہ میں داخل ہوا تو بنو ہوازن کے جوانوں نے ان پر یکایک حملہ کر دیا۔ بنو سلیم گھبراہٹ کے عالم میں میدان سے بھاگے۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر باقی لشکر بھی بھاگ اٹھا اور حالت یہ ہو گئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف دس جانباز باقی رہ گئے۔

رسول خداؐ نے لشکر اسلام کو آوازیں دیں کہ مجھے چھوڑ کر مت بھاگو۔ اسلام کی ایک مجاہدہ نسیبہ بنت کعب مازینہ دوڑنے والوں کے سر پر خاک ڈالتی اور کہتی: "نامردو کہاں جا رہے ہو؟"

حضرت عمر کو بھاگتا دیکھ کر نسیبہ نے کہا: "عمر تجھ پر افسوس! تو کیا کر رہا ہے؟"

حضرت عمر نے کہا: "یہ سب اللہ کا امر ہے۔"

رسول خداؐ کے پاس صرف دس مجاہد رہ گئے ان میں سے نو بنی ہاشم سے تھے اور ایک ایمن بن ام ایمن تھا جو اس جنگ میں شہید ہو گیا۔ حضرت علیؑ بڑی دلیری سے دشمنوں کے حملے پست کرتے رہے۔

رسول کریمؐ نے عباس بن عبدالمطلب سے کہا کہ تمہاری آواز بہت اونچی ہے تم ان الفاظ سے لوگوں کو بلاؤ: "یا اصحاب سورۃ البقرۃ ویااصحاب بیعۃ

الشجرة الی این تفرون" اے سورہ بقرہ کے اصحاب اور درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو! تم مجھے چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو اور تم نے جو وعدہ کیا تھا اپنے اس وعدہ کو یاد کرو۔"

وہ وقت رسالت مآبؐ کے لئے انتہائی پریشانی کا وقت تھا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: "پروردگار! حمد تیرے لئے ہے اور تو ہی ہمارا مددگار ہے اور ہماری فریاد سننے والا تو ہی ہے، خدایا! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

عباس نے اپنے سینہ کی پوری قوت سے آواز دی۔ آواز سن کر مسلمان آہستہ آہستہ واپس آنے شروع ہوئے۔ شرم کی وجہ سے رسول خداؐ کے گرد اکھٹے نہ ہوئے اور علم کے نیچے آکر جنگ شروع کر دی۔

رسول کریمؐ نے عباس سے پوچھا: "جنگ کرنے والے کون ہیں؟"

تو عباس نے بتایا کہ یہ انصار ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے رکابوں پر کھڑے ہو کر جنگ کا منظر دیکھا تو فرمایا: "الان حمی الوطیس" اب جنگ کی بھٹی گرم ہوئی اور اسی جنگ میں آپؐ نے یہ رجز پڑھے:

انا النبی لا کذب

انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

کچھ دیر بعد ہوازن کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا، اسی جنگ میں بنی ہوازن کے چھ ہزار افراد جن میں عورتیں بھی شامل

تھیں، گرفتار ہوئے اور چالیس ہزار بکریاں اور چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کے اس غرور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرة ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا تو تمہاری کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پشت دے کر بھاگ نکلے۔"

رسول خداؐ نے جنگ حنین کے غنائم اہل مکہ کی تالیفِ قلوب کے لئے مکہ والوں میں ہی تقسیم کر دیئے۔ انصار مدینہ میں سے چند لوگوں کو یہ رویہ ناگوار گزرا۔ پیغمبر اسلامؐ کو انصارِ مدینہ کی اس ناراضگی کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "مدینہ کے تمام انصار جمع ہو جائیں۔"

آپؐ کے حکم کے تحت تمام انصار جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: "اے گروہ انصار! میں تم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں تم میرے سوالوں کا جواب دو۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: "کیا تم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا؟"

انصار نے کہا: "بے شک یہ خدا اور رسول کا ہم پر احسان ہے۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: "کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت دی؟"

انصار نے کہا: "بے شک یہ خدا اور رسول کا احسان ہے۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو تم بھی مجھے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو کہ محمدؐ! تیری قوم نے تجھے مکہ سے نکال دیا تھا ہم نے تجھے پناہ دی، تو خوف زدہ ہو کر ہمارے پاس آیا ہم نے تجھے امن دیا، لوگوں نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔“

آپؐ کے یہ جملے سن کر انصار کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور عرض کی: ”یارسول اللہؐ! چند نادانوں کی اس حرکت پر ہم شرمندہ ہیں اور اگر آپؐ پسند کریں تو ہمارا مال بھی اہلِ مکہ میں تقسیم کر دیں ہم اعتراض نہیں کریں گے۔“

پھر آپؐ نے فرمایا: ”گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لے کر جاؤ۔“

انصار نے کہا: ”ہم راضی ہیں آپ ہمارے حق میں دعا فرمائیں۔“

اس وقت آپؐ نے یہ دعا فرمائی: ”**اللھم اغفر للانصار ولا بناء الانصار ولا بناء ابناء الانصار**“ خدایا! انصار کو معاف فرما، انصار کی اولاد کو معاف فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد کو معاف فرما۔“ (نقل از تفسیر برہان و شجرۂ طوبیٰ)

نسلِ یوسفؑ میں نبوت کیوں نہ چلی؟

جب حضرت یوسفؑ نے اپنا پیراہن اپنے والد بزرگوار کے پاس روانہ کیا اور اس سے ان کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئی تو آپؑ نے اپنے خاندان کو مصر روانگی کا حکم دیا۔ پورا خاندان یوسفؑ گم گشتہ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ یہ قافلہ کنعان سے روانہ ہوا اور تیزی سے سفر کرتا ہوا نویں دن مصر پہنچا۔

حضرت یوسفؑ اپنے ساتھ لشکر لے کر والدین کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے، حضرت یعقوبؑ نے جب دور سے یہ لاؤ لشکر دیکھا تو پوچھا: ”کیا یہ فرعونِ مصر آرہا ہے؟“

بیٹوں نے جواب میں کہا: ”نہیں یہ فرعونِ مصر نہیں بلکہ آپؑ کا بیٹا یوسف آرہا ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے ارادہ کیا کہ پیادہ ہو کر باپ کا استقبال کریں اور زمینِ ادب کا بوسہ لیں لیکن جب انہوں نے اپنے اعیانِ مملکت کو دیکھا تو ان کی نیت بدل گئی۔

باپ بیٹا گلے ملے، ہجر کی گھڑیاں دور ہوئیں۔ پھر جناب جبرئیل امینؑ حضرت یوسفؑ کے پاس آئے اور کہا: ”تم نے ہمارے بندہ کی تعظیم میں کوتاہی کیوں کی؟ اور اس کے لئے تم نے اپنی سواری سے اترنا کیوں گوارا نہ کیا؟ اب اپنا ہاتھ کھولو۔“

جیسے ہی حضرت یوسفؑ نے اپنا ہاتھ کھولا تو انگلیوں سے نور خارج ہوا۔

حضرت یوسفؑ نے جبرئیل امینؑ سے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“

انہوں نے کہا: ”تم اپنے باپ کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے، لہذا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ سے نورِ نبوت کو خارج کر دیا اور اس کے بجائے اللہ نے لاوی کی اولاد میں سلسلۂ نبوت کو جاری فرمایا۔“

اللہ تعالیٰ کو لاوی کی دو ادائیں پسند آئی تھیں۔ پہلی ادا تو یہ تھی کہ جب بھائیوں نے یوسفؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تو انہوں نے بھائیوں کو قتلِ یوسفؑ سے باز رکھا تھا اور کہا تھا کہ اس کی بجائے انہیں کسی ویران کنوئیں میں ڈال دو۔

ان کی دوسری ادا جو اللہ کو پسند آئی وہ یہ تھی کہ جب حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو اپنے پاس روک لیا تھا تو انہوں نے گھر واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کا سلسلہء نسب تین پشتوں کے بعد لاوی سے جا ملتا ہے۔

چنانچہ اسی خود پسندی اور غرور کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے اللہ نے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

یوسفؑ اتنی کم قیمت میں کیوں بکے؟

جب حضرت یوسفؑ کمسن تھے اور اپنے باپ کے گھر میں تھے تو انہوں نے ایک دن آئینہ میں اپنی شکل و صورت کو دیکھا تو اپنی ہی صورت پر فریفتہ ہو گئے اور دل میں کہنے لگے اگر مجھے غلام بنا کر فروخت کیا جائے تو میری قیمت کوئی ادا نہیں کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کو یوسف علیہ السلام کا یہ ناز پسند نہ آیا اور جب بھائیوں نے انہیں مصری تاجر یقلوص کے ہاتھوں فروخت کیا تو اس نے بائیس درہم قیمت کے طور پر ادا کئے تھے اور ان کو خریدنے کا اسے چنداں شوق نہ تھا۔

"وشروه بثمن بخس دراهم معدودة وكانوا فيه من الزاهدين"

(بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۲، نزہۃ المجالس جلد ا صفحہ ۱۱۱)

خسرو پرویز تکبر کی وجہ سے ہلاک ہوا

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سلاطین و امراء کو دعوت اسلام کے خطوط تحریر فرمائے تھے ان میں خسرو پرویز بھی شامل تھا۔

خسرو پرویز ان دنوں ایران کا بادشاہ تھا۔ عبداللہ بن حذافہ رحمۃ للعالمین کا خط لے کر اس کے پاس گئے۔

خسرو پرویز نے مترجم کو بلا کر خط کا ترجمہ کرایا تو خط کا سرنامہ کچھ یوں تھا: "من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس" محمد رسول اللہ کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف۔ سرنامہ دیکھ کر اسے غصہ آیا کہ رسول خداؐ نے اپنا نام میرے نام سے پہلے کیوں تحریر کیا۔ چنانچہ اس نے حضور اکرمؐ کے خط کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور قاصد کو کوئی جواب نہ دیا۔

جب قاصد نے واپس آکر حضور اکرمؐ کو اس کے اس نازیبا طرز عمل کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: "اللهم فرق ملكه" خدایا! جس طرح سے اس نے میرے خط کے ٹکڑے کئے اسی طرح تو اس کے ملک کے ٹکڑے کر دے۔"

خسرو پرویز نے یمن کے گورنر باذان کو خط لکھا کہ عرب میں محمد نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ دو طاقت ور آدمی بھیج کر اسے گرفتار کر کے ہمارے پاس روانہ کر دو۔

باذان نے بابویہ اور فرخسرہ نامی دو آدمیوں کو گرفتاری کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ دونوں افراد مدینہ آئے انہوں نے اپنے بازوؤں پر سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے اور زرین کمر بند کے ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو مزین کیا ہوا تھا اور داڑھی مونڈی ہوئی تھی اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔

رسول خداؐ نے ان کی شکلیں دیکھ کر نفرت کا اظہا فرمایا اور کہا: "ویلکما من امر کما بھذا" تم پر وائے ہو تمہیں کس نے اس کا حکم دیا ہے؟"

انہوں نے کہا کہ: "ہمارے پروردگار کسریٰ نے ہمیں داڑھی منڈوانے اور

مونچھیں بڑھانے کا حکم دیا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "میرے پروردگار نے مجھے مونچھیں منڈوانے اور داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "اچھا آج رات تم ہمارے ہاں آرام کرو۔ ہم تمہیں کل اس کا جواب دیں گے۔"

جب وہ دوسری صبح کو آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: "تم باذان سے جاکر کہنا کہ کل رات سات بجے میرے پروردگار نے اس کے پروردگار کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ کے ذریعہ سے قتل کرادیا ہے اور ہم عنقریب ان کے ملک کو فتح کریں گے اور اگر تو اپنے عہدہ پر قائم رہنا چاہتا ہے تو ایمان لے آ۔"

یہ واقعہ جمادی الاوّل کی دس تاریخ کو منگل کی رات ۷ھ کو پیش آیا۔ باذان کے نمائندوں نے کاغذ پر وقت دن اور تاریخ لکھ لی اور یمن واپس چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد شیرویہ کا خط باذان کو ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں نے چند جرائم کی وجہ سے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کردیا ہے اور میں نے اسے قتل کر کے اقتدار سنبھال لیا ہے اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس شخص نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تم اسے اس کے حال پر چھوڑدو۔

باذان اور اس کے نمائندوں نے جب خسرو پرویز کی موت کی گھڑی معلوم کی تو وہ وہی تھی جس کی حضور اکرمؐ نے انہیں خبر دی تھی۔ یہ سن کر باذان اور بہت سے دوسرے اہل یمن مسلمان ہوگئے۔ (روضۃ الصفا)

جب اسلامی افواج کے ہاتھوں یزدگرد شاہ ایران کو شکست ہوئی تو اس کی بیٹی گرفتار ہوکر مدینہ آئی۔ حضرت عمر نے چاہا کہ اس کے منہ سے نقاب ہٹاکر

اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ تو اس وقت اس نے اپنے دادا خسرو پرویز کو یاد کر کے فارسی زبان میں کہا: "صورت پرویز سیاہ باد اگر نامۂ رسول خدا را پارہ نمیکرد دخترش چنیں وضعی دچار نمیشد" پرویز کی صورت سیاہ ہوجائے اگر وہ رسولِ خدا کے خط کو چاک نہ کرتا تو آج اس کی بیٹی کو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔"

حضرت عمر نے سمجھا کہ قیدی عورت مجھے گالیاں دے رہی ہے یہ سوچ کر انہوں نے اسے مارنے کے لئے تازیانہ اٹھایا تو حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ: "آرام سے بیٹھے رہو، اس نے تمہیں کچھ نہیں کہا ہے، اپنے دادا کو بدعادے رہی ہے۔"

پھر جب حضرت عمر نے اس کے فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؑ فرمایا: "ان نبات الملوك لاتباع ولو كانوا كفارا" بادشاہ کی بیٹیوں کو فروخت نہیں کرنا چاہئے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ انہیں چناؤ کا حق دیا جائے وہ جسے پسند کریں ان کے ساتھ ان کی شادی کردی جائے اور ان کا حق مہر ان کے بیت المال کے وظیفہ سے کاٹ لیا جائے۔

جب شہربانو کو حق اختیار ملا تو اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا: "اگر مجھے انتخاب کا حق حاصل ہے تو میں اس بدر منیر کا انتخار کرتی ہوں۔"

چنانچہ بی بی شہربانو کا عقد امام حسین علیہ السلام سے کردیا گیا اور ان سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (نقل از ریاحین الشریعہ جلد ۳ صفحہ ۱۴)

ابلیسی غلبہ کا سبب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن جناب موسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ابلیس ان کے پاس آیا اور اپنے سر سے ٹوپی اتار کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔

حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: "تو کون ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میں ابلیس ہوں۔"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: "خدا تجھے کسی کا ہمسایہ قرار نہ دے۔"

ابلیس نے کہا: "اللہ کے نزدیک آپؑ کا بڑا مقام ہے اس لئے میں آپؑ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: "اچھا مجھے یہ تو بتا کہ وہ کونسا گناہ ہے جس کی وجہ سے تو لوگوں پر غالب آجاتا ہے اور لوگ تیرے قابو میں آجاتے ہیں؟"

ابلیس نے کہا: "حضرتؑ! جب کوئی شخص اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے اور اس کے ذہن میں انا پرستی اور تکبر پیدا ہوتا ہے تو وہ فوراً میرے قبضہ اختیار میں آجاتا ہے۔ وہی لوگ میرا شکار ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا تصور کرتے ہیں اور اپنے چھوٹے سے کام کو بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں اور اپنے گناہوں کو ہلکا محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑی آسانی سے میرے جال میں پھنس جاتے ہیں۔"

اس داستان کے آخر میں پیغمبر خداؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی فرمائی: "یا داؤد بشر المذنبین وانذر الصدیقین" داؤدؑ! گناہگاروں کو میری رحمت کی بشارت دو اور نیک لوگوں کو میرے عذاب سے ڈراؤ۔"

حضرت داؤدؑ نے پوچھا: "خدایا گناہگاروں کو میں کیسے بشارت دوں اور

نیک لوگوں کو میں کیسے ڈراؤں؟"

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یاداود بشر المذنبین انی اقبل التوبة واعفوعن الذنب وانذر الصدیقین الایعجبوا باعمالھم فانه لیس عبدانصبه للحساب الاھلک" داؤدؑ! گناہگاروں کی بشارت دو کہ میں توبہ قبول کرتا ہوں، گناہ معاف کرتا ہوں اور صدیقین کو ڈراؤ کہ وہ اپنے اعمال پر ناز نہ کریں کیونکہ میں نے جسے بھی مقامِ حساب میں کھڑا کیا تو وہ ہلاک ہو گیا۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

خود پسندی کتنی بڑی لعنت ہے

انس بن مالک کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات میں ہم ایک شخص کی عبادت سے بڑے متاثر ہوئے ہم نے اس کا نام اور اس کی عبادت کی کیفیت کو حضور اکرمؐ کے سامنے بیان کیا تو آپؐ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر ہم نے اس کی شکل و صورت بیان کی تو پھر بھی حضور اکرمؐ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اسی اثناء میں وہ شخص نمودار ہوا تو ہم نے کہا: "یارسول اللہ! وہ شخص یہ ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "تم تو ایسے شخص کی تعریف کر رہے تھے جس کی پیشانی پر ابلیس کی مہر لگی ہوئی ہے۔"

اتنے میں وہ شخص ہمارے قریب سے گزرا لیکن اس نے ہم پر سلام نہ کیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اسے فرمایا: "تجھے خدا کی قسم سچ بتانا جب تو اس گروہ سے گزر رہا تھا تو تو نے اپنے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ ان میں سے مجھ سے کوئی بھی بہتر نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا: "صحیح ہے۔" پھر وہ نماز کے لئے مسجد میں چلا گیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "کوئی ہے جو اسے جاکر قتل کر دے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "یارسول اللہؐ! میں جاکر اسے قتل کرتا ہوں۔"

تلوار اٹھاکر مسجد میں گئے تو اسے نماز پڑھتے دیکھا۔ دل میں کہا کہ رسول خداؐ تو نمازیوں کے قتل سے ہمیں منع کرتے ہیں تو اس صورت میں بھلا اسے میں کیسے قتل کروں۔ وہ آپؐ کے پاس آئے اور اپنی مجبوری بیان کی۔

آپؐ نے پھر فرمایا: "کوئی ہے جو اسے قتل کرے؟"

حضرت عمر نے کہا: "میں اسے قتل کروں گا۔" تلوار لے کر مسجد میں گئے تو اسے حالتِ سجدہ میں پایا۔ دل میں کہنے لگے کہ ابوبکرؓ مجھ سے بہتر ہیں، جب انہوں نے اسے نمازی سمجھ کر قتل نہیں کیا تو میں اسے کیوں قتل کروں؟ یہ سوچ کر وہ بھی واپس آئے اور حضور کریمؐ کے سامنے اپنی مجبوری بیان کی۔

آپؐ نے پھر فرمایا: "کوئی ہے جو اسے قتل کرے؟"

حضرت علیؑ نے عرض کی: "یارسول اللہؐ! میں اسے قتل کرتا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "اگر وہ تمہیں ملا تو قتل کرو گے۔"

حضرت علیؑ تلوار لے کر مسجد میں گئے لیکن وہ شخص مسجد میں موجود نہ تھا۔ حضرت علیؑ رسول خداؐ کی خدمت آئے اور عرض کی: "یارسول اللہؐ! وہ شخص میرے جانے سے پہلے ہی کہیں نکل گیا تھا۔"

آپؐ نے فرمایا: "اگر آج وہ قتل ہوجاتا تو میری امت کے دو افراد میں کبھی اختلاف نہ ہوتا۔"

علامہ امینیؒ مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ شخص "ذوالثدیہ" تھا جو جنگ نہروان کا

بانی تھا اور مولا علی علیہ السلام نے اسے جنگ نہروان میں قتل کیا تھا۔

ایک گزارش

ایک اچھے معاشرہ کا قیام باہمی محبت و الفت اور ہمدردی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کی عزت کرتے ہوں اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آتے ہوں تو وہ معاشرہ مثالی معاشرہ بن جاتا ہے اور جہاں غرور و تکبر پیدا ہوجائے اور افراد اپنے آپ کو بلند و بالا خیال کرنے لگیں تو وہ معاشرہ زوال پذیر کہلاتا ہے۔ حسنِ معاشرت کے لئے باہمی احترام کی اشد ضرورت ہوتی ہے لیکن تکبر ایک ایسی لعنت ہے کہ اس کے وجود میں آتے ہی احترام کے جذبات ختم ہوجاتے ہیں اور یہیں سے فرعونیت جنم لیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرعون کا قول نقل کیا ہے: "انؤمن لبشرين مثلنا وقومهما لنا عابدون" کیا ہم اپنے جیسے انسانوں پر ایمان لائیں جب کہ ان کی قوم ہماری عبادت و خدمت کرتی ہے۔"

تکبر و خود پسندی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اسی لئے حبیبؐ خدا نے ارشاد فرمایا: "لايدخل الجنة من كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من كبر"، جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا ہے: "تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علوافى الارض ولا فساداوالعاقبة للمتقين" ہم جنت کی ہمیشہ رہنے والی منزل انہیں دینگے جو اس دنیا میں برتری اور تکبر اور فساد فی الارض کے خواہش مند نہیں ہونگے اور نیک انجام تو پرہیزگاروں کیلئے ہے۔"

شیخ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کے ضمن میں امیر المؤمنین علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کیا ہے : "ان الرجل لیعجبه شراك نعله فیدخل فی هذه الایة" کبھی کبھار انسان کو اپنی جوتی کا تسمہ بھی اچھا لگتا ہے تو وہ اس کے ذریعہ سے تکبر کرنے لگتا ہے ایسا شخص بھی اس آیت میں شامل ہے۔"

خداوند عالم قیامت کے دن متکبرین کو ذلیل فرمائے گا جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا : "ان المتکبرین یجعلون فی صورة الذر یتوطاهم الناس حتی یفرغ الله من الحساب" تکبر کرنے والے قیامت کے روز ذرات کی شکل میں محشور ہوں گے اور حساب کے ختم ہونے تک لوگ انہیں اپنے پاؤں تلے روندتے رہیں گے۔"

چند روایات

عن علی بن ابی طالب علیه السلام قال: بینما رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یمشی وانا معه اذا جماعة فقال ماهذه الجماعة فقالوا مجنون یخنق فقال رسول اللهؐ هذا المبتلی ولکن المجنون الذی یخطو بیدیه ویتبختر فی مشیه و یحرك منکبیه فی موکبه یتمنی علی الله جنته و هومقیم علی معصیته.

"مستدرک الوسائل جہاد نفس صفحہ ۳۲۹"

علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جارہا تھا کہ ایک گروہ ایک مقام پر جمع تھا۔

آپؐ نے فرمایا : "یہ گروہ کیوں جمع ہے؟"

لوگوں نے بتایا : "ایک پاگل کو دیکھ رہے ہیں جو روحانی اذیت میں مبتلا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا : "یہ مریض ہے۔ پاگل وہ ہے جو راہ چلتے اپنے ہاتھ سے حرکات کرے اور متکبرانہ چال چلے اور جس بزم میں بیٹھا ہو اس میں اپنے کندھوں کو حرکت دے اور اللہ کی نافرمانی پر قائم رہ کر بھی اس سے جنت کی آرزو کرے۔"

عن محمد بن عمر بن یزید عن ابیه قال قلت لابی عبداللهؑ اننی اکل الطعام الطیب واشم الریح الطیبة وارکب الدابة الفارهة و یتبعنی الغلام فتری فی هذا شیئا من التجبر فلا افعله! فاطرق ابوعبداللهؑ ثم قال انما الجبار الملعون من غمص الناس وجهل الحق قال عمر فقلت اما الحق فلا اجهله و الغمص لاادری ماهو قال من حقرا لناس و تجبر علیهم فذلك الجبار.

"کافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۱"

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفرؑ صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ :

"میں اچھا کھانا کھاتا ہوں اور عمدہ خوشبو استعمال کرتا ہوں اور آراستہ سواری پر بھی سوار ہوتا ہوں اور میرے پیچھے غلام بھی چلتا ہے، تو کیا ایسی زندگی کو آپؑ تکبر سمجھتے ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر میں اپنے طرز زندگی میں تبدیلی لے آؤں؟"

امام جعفر صادق کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے پھر فرمایا : "جبار ملعون ہے وہ شخص جو "غمص" سے کام لے اور حق شناس نہ ہو۔"

راوی نے کہا : "مولا! میں حق کو تو پہچانتا ہوں، لیکن "غمص" سے واقف نہیں ہوں۔"

آپؑ نے فرمایا : "غمص سے مراد یہ ہے کہ تو لوگوں کو حقیر جانے اور ان سے تکبر کرے ایسا شخص جبار ہوتا ہے۔"

عن حفص بن غیاث عن ابی عبداللهؑ قال ومن ذهب الی ان له علی الاخر فضلا

فھو من المتکبرین فقلت انمایری ان له علیه فضلا بالعافیة اذراه مرتکبا للمعاصی فقال هیات هیات نلقه ان یکون غفرله مابقی وانت موقوف تحاسب......

"جلد ۱۵ احار باب کبر"

حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھے کہ اسے دوسرے پر فضلیت حاصل ہے تو ایسا شخص متکبرین میں سے ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: "مولا! اگر کوئی شخص دوسروں کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھے تو کیاوہ بھی متکبرین میں سے ہے؟"

امامؑ نے فرمایا: "ممکن ہے جسے وہ حقیر سمجھ رہا ہے وہ کل کوئی ایسا عمل کرے جس سے اسکے گناہ معاف ہو جائیں اور یہ ابھی حساب وکتاب میں ہی مصروف ہو۔"

عن ابی عبداللہؑ قال اتی عالم عابدا فقال له کیف صلا تك فقال مثلی یسئل عن صلا ته؟ وانا اعبدالله منذکذ او کذا قال فکیف بکائك؟ قال ابکی حتی تجری دموعی فقال له العالم فن ضحکك وانت خائف افضل من بکائك؟ قال ابکی حتی تجری دموعی فقال له العالم فان ضحکك وانت خائف افضل من بکائك وانت مدل ان المدل لایصعدمن عمله شئی.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۳"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ایک عالم کسی عابد کے پاس گیا اور پوچھا: "تمہاری نماز پڑھنے کی کیفیت کیسی ہے؟"

عابد نے ناراض ہو کر کہا: "عجیب ستم ہے کہ مجھ جیسے شخص سے اس کی نماز کے متعلق سوال کیا جائے جبکہ میں اتنے سالوں سے مسلسل عبادت کر رہا ہوں۔"

پھر عالم نے اس سے پوچھا: "خوف خدا میں تو کتنا روتا ہے؟"

عابد نے کہا: "میں اتنا روتا ہوں کہ میرے آنسو میرے رخساروں پہ بہنے لگتے ہیں۔"

یہ سن کر عالم نے کہا: "اگر تو خوف خدا رکھ کر ہنستا تو وہ ہنسنا اس رونے سے بہتر تھا تو ایک خود پسند شخص ہے اور خود پسند کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔"

عن عبدالرحمٰن بن اطجاج قال قلت لابی عبداللہؑ الرجل یعمل العمل وھو خائف مشفق ثم یعمل شیئامن البر فید خله شبه العجب به ؟ فقال ھو فی حاله الاولیٰ وھو خائف احسن حالا منه فی حال عجبه.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴"

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ: "ایک شخص گناہ کرتا ہے اور وہ اللہ کے خوف سے کانپتا ہے اور بعد میں وہی شخص نیک عمل کرتا ہے اور اس میں خود پسندی اور تکبر شامل ہوتا ہے۔ ان دو حالتوں میں سے اس کی کون سی حالت بہتر ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "اس کی خوف والی پہلی حالت خود پسندی اور غرور کی دوسری حالت سے بہتر ہے۔"

باب سوم

حلم وبردباری

امام زین العابدینؑ کی بردباری

ایک شخص امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ آپؑ نے اس کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔

اسکے جانے کے بعد آپؑ نے فرمایا: ”میں اسے جواب دینا چاہتا ہوں تم میں سے جو میرا جواب سننے کا خواہشمند ہو وہ میرے ساتھ اسکے مکان پر چلے۔“

راوی کہتا ہے کہ ہم میں سے بہت سے افراد آپؑ کے ساتھ چل پڑے۔

راستے میں آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین“ اہل ایمان اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“

راوی کہتا ہے کہ یہ آیت سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ آپؑ اسے کچھ نہیں کہیں گے۔

پھر امام عالی مقام اس شخص کے دروازے پر پہنچے اور آواز دی کہ باہر آؤ تجھے علی بن الحسین بلاتا ہے۔

اس شخص کو یقین ہوگیا کہ امام لڑائی جھگڑے کیلئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی

لڑائی پر آمادہ ہو کر گھر سے نکلا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ”بھائی تم نے کچھ دیر پہلے کچھ باتیں کہی ہیں، اگر مجھ میں وہ عیب موجود ہیں تو اللہ میرے وہ عیوب معاف فرمائے اور اگر تم نے غلط بیانی کی ہے تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے۔“

راوی کہتا ہے کہ وہ شخص یہ سن کر انتہائی شرمندہ ہوا اور آگے بڑھ کر آپؑ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا: ”خدا کی قسم میں نے جو کچھ کہا تھا وہ آپؑ کے اندر موجود نہیں ہے، آپؑ کی بجائے وہ تمام برائیاں خود میرے اندر موجود ہیں، میں آپؑ سے معافی کا طالب ہوں۔“ آپؑ نے اسے معاف کردیا۔ راوی کہتا ہے کہ گستاخی کرنے والا حسن بن حسن تھا۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک مسخرہ رہتا تھا جو اپنی حرکات سے لوگوں کو ہنسایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کہا کہ: ”امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھے عاجز کردیا میں نے کئی بار انہیں ہنسانے کی کوشش کی لیکن میری ہر کوشش ناکام ہوئی۔“

ایک دفعہ امام زین العابدینؑ اپنے دو غلاموں کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ مسخرہ پیچھے سے آیا اور اس نے آپؑ کی ردا آپؑ کے کندھے سے اتاری اور بھاگ گیا۔ غلاموں نے دوڑ کر اس سے ردا واپس لی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ کون ہے؟“

غلاموں نے کہا: ”یہ ایک مسخرہ ہے یہ لوگوں کو ہنسا کر ان سے رقم وصول کرتا ہے۔“

آپؑ نے فرمایا: ”اس نادان سے کہہ دو کہ اللہ نے ایک دن مقرر کیا ہے جس میں مسخرہ کرنے والے نقصان اٹھائیں گے۔“

امام محمد باقر علیہ السلام کی بردباری

شیخ طوسیؒ نے محمد بن سلیمان سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کی کہ ایک شامی کاروبار کے سلسلہ میں مدینہ میں مقیم تھا اور وہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بہت آیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ: "میں آپؑ کے پاس کسی عقیدت کی وجہ سے نہیں آتا، اس پوری زمین پر آپؑ اور آپؑ کے خاندان سے زیادہ مجھے کسی سے دشمنی نہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا اور رسولؐ اور حکام کی رضامندی کے حصول کے لئے آپؑ سے دشمنی لازمی ہے۔ میں آپؑ کے پاس صرف اس لئے آتا ہوں کہ آپؑ انتہائی فصیح و بلیغ شخص ہیں اور آپؑ علوم و فنون کا منبع اور مرکز ہیں علاوہ ازیں آپؑ اخلاق عالیہ کے مالک ہیں۔"

اس کی اس گفتگو کے باوجود بھی امام محمد باقرؑ اس کی مدارات کیا کرتے اور فرمایا کرتے: "من تخفی علی اللّٰہ خافیۃ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔"

چند دنوں کے بعد شامی بیمار ہوا اور اس کی بیماری میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ ایک دن جب اس کی طبیعت سخت خراب ہوئی تو اس نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ میرا آخری وقت آچکا ہے۔ جب میں مرجاؤں تو مجھ پر کپڑا ڈال دینا اور امام محمد باقرؑ کے پاس جاکر انہیں نماز جنازہ کے لئے کہنا اور انہیں یہ ضرور بتانا کہ متوفی نے خود اس کی خواہش کی ہے۔

آدھی رات کے وقت اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا اور اس کے متعلقین کو یقین ہوگیا کہ وہ مرگیا ہے تو انہوں نے اس پر چادر ڈالی اور نماز فجر کے وقت امام باقر علیہ السلام کے پاس جاکر اس کی موت کی اطلاع دی اور آپؑ سے نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی۔

آپؑ نے فرمایا: "شامی ابھی مرا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ شام کا علاقہ سرد ہے اور حجاز کی آب و ہوا گرم ہے۔ میرے آنے تک اس کے جنازہ کو گھر میں رہنے دو۔"

پھر آپؑ نے وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی اور کافی دیر تک دعا میں مصروف رہے ادھر سورج طلوع ہوا اور امام مسجد سے باہر تشریف لائے اور اس شامی کے گھر پہنچے۔ گھر میں داخل ہوکر آپؑ نے اسے صدا دی تو اس نے آپؑ کو جواب دیا: "لبیك یا بن رسول اللّٰہ" فرزند رسول میں حاضر ہوں۔"

آپؑ نے اسے تکیہ کے سہارے بٹھایا اور ستو کا شربت پلایا۔ آپؑ نے اس کے اہل خانہ کو حکم دیا کہ مریض کو ٹھنڈی غذائیں کھلائیں۔

چند دنوں بعد شامی مکمل طور پر شفایاب ہوگیا اور امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں آپؑ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مرد شامی نے تنہائی میں عرض کی: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ مخلوق پر حجت خدا ہیں اور آپؑ اللہ کا وہ دروازہ ہیں جس سے داخل ہونے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جو بھی آپؑ سے دور ہوا، اس نے خسارہ اٹھایا۔"

امام علیہ السلام نے شامی سے فرمایا: "آج تم اپنے عقیدہ کے برخلاف یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

شامی نے کہا: "مولاؑ! مجھے اپنی موت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ میں نے واقعی موت کا ذائقہ چکھا تھا اور میری روح میرے بدن سے نکل گئی تھی۔ اسی اثنا میں ایک آواز مجھے سنائی دی کہ اس روح کو اس کے جسم میں واپس لوٹادو، محمد بن علیؑ نے ہم سے اس کی واپسی کی درخواست کی ہے۔ اس کے

بعد میں پھر زندہ ہو گیا۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ان اللہ یحب العبدو یبغض عملہ و یبغض العبدویحب عملہ" کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ بعض بندوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان کے عمل سے نفرت کرتا ہے اور بعض بندوں سے نفرت کرتا ہے لیکن ان کے عمل کو پسند کرتا ہے۔"

مقصد یہ تھا کہ خدا تجھے پسند نہیں کرتا تھا لیکن تو ہم سے جو دوستی رکھتا تھا اللہ کو وہ دوستی پسند تھی۔

راوی کہتا ہے کہ پھر وہ شامی آپ کا مخلص دوست بن گیا۔ (منتہی الامال جلد ۲)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بردباری

مدینہ منورہ میں خلیفہ ثانی کی اولاد میں سے ایک شخص امام موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دیتا تھا اور ان پر سب و شتم کیا کرتا تھا اور جب آپؑ کو دیکھتا تو امیر المؤمنین علیہ السلام پر بھی سب و شتم کرنے لگ جاتا تھا۔

آپؑ کے دوستوں نے عرض کی کہ آپؑ ہمیں اجازت دیں ہم اس کا دماغ ٹھیک کر دیں۔ آپؑ نے انہیں ہر طرح کی بداخلاقی سے منع فرمایا۔

آپؑ نے اس کے کام کی جگہ کا معلوم کیا تو پتہ چلا کہ مدینہ کے اطراف میں فلاں مقام پر وہ کھیتی باڑی کرتا ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ گدھے پر سوار ہو کر اس کے کھیت کی طرف تشریف لے گئے اس وقت وہ شخص اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا۔

آپؑ گدھے پر سوار ہو کر اس کے کھیت میں داخل ہوئے تو وہ چیخنے لگا کہ میری زراعت کو پامال نہ کرو فلاں طرف سے آؤ۔ آپؑ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: "بھائی اس زراعت پر تمہارا کتنا خرچ ہوا ہے؟"

اس نے کہا: "ایک سو اشرفی۔"

آپؑ نے فرمایا: "اس کی پیداوار کتنی ہو گی؟"

اس نے کہا: "میرے پاس غیب کا علم نہیں ہے۔"

آپؑ نے فرمایا۔ "نہیں یہ بات نہیں، میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ کھیتی خیر و عافیت سے اگ جائے تو تمہیں اس سے کتنی پیداوار کی توقع ہے؟

اس نے کہا: "دو سو اشرفی۔

پھر آپؑ نے اسے ایک تھیلی دی جس میں تین سو اشرفیاں تھیں اور فرمایا: "تمہاری کھیتی اپنی جگہ موجود ہے اور جس کی تم توقع رکھتے ہو اسے بھی خدا پورا کرے گا اور میری طرف سے بھی یہ قبول کرو۔"

وہ سخت شرمندہ ہوا اور اٹھ کر آپؑ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور آپؑ سے معافی کا طلب گار ہوا۔

آپؑ وہاں سے مسکراتے ہوئے واپس آئے۔ اس واقعہ کے چند دن بعد وہ شخص مسجد میں بیٹھا تھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ مسجد میں داخل ہوئے تو اس نے کہا: "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کسے اپنا پیغام رساں قرار دے۔ اس کے ساتھ اس کے دوست بیٹھے تھے وہ اس کی اس دلی عقیدت پر متعجب ہوئے اور اس سے کہنے لگے کہ تمہارے نظریات پہلے تو کچھ اور تھے اور آج تمہارے نظریات کچھ اور ہیں؟

اس نے کہا: "تم نے میرے پہلے نظریات تو سنے تھے اور اب نئے نظریات بھی سنو۔ میں اس خاندان سے محبت وولاء رکھتا ہوں۔"

یہ سن کر اس کے دوسرے دوست اس سے جھگڑنے لگے تو اس نے بھی ان سے جھگڑنا شروع کر دیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے دوست سے فرمایا: "دیکھا! جس طریقے سے تم اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے وہ طریقہ بہتر تھا یا وہ طریقہ بہتر ہے جس سے میں نے اس کی اصلاح کی ہے۔" (منتہی الامال جلد ۳ صفحہ ۱۲۵)

امام حسنؑ مجتبیٰ کی بردباری

علامہ مجلسیؒ بحار الانوار کی جلد دہم میں حالات امام حسنؑ مجتبیٰ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن آپ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک شامی کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے آپؑ اور آپؑ کے والد ماجد پر سب وشتم کرنا شروع کر دیا۔

امام علیہ السلام خاموشی سے سنتے رہے جب وہ سب وشتم سے تھک گیا تو آپؑ اس کے قریب گئے اور فرمایا: "بھائی شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو میں تمہیں دوں اور اگر راستے سے بھٹک چکے ہو تو تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں، اگر تمہیں مال برداری کے لئے جانور کی ضرورت ہے تو تم میرا جانور لے لو، اگر بھوکے ہو تو تمہیں کھانا کھلاؤں گا، اگر تمہیں لباس کی ضرورت ہے تو تمہیں لباس دوں، اگر غریب ہو تو تمہیں دولت مند بناؤں گا اور اگر فراری ہو تو تمہیں پناہ دوں گا۔ غرضیکہ تمہاری جو بھی حاجت ہو بیان کرو، تمہاری حاجت پوری کروں گا۔ تمہارے لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ

تم نووارد ہو ہمارے مہمان خانہ پر آجاؤ ہمارے پاس وسیع مہمان خانہ ہے۔"

امام کا یہ اخلاق دیکھ کر شامی رونے لگا اور کہا: "اشھدانك خلیفة اللہ فی ارضہ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر اللہ کے جانشین ہیں۔

میں اس سے پہلے آپؑ کا مخالف تھا اور روئے زمین پر آپؑ اور آپؑ کے والد سے زیادہ میری نظر میں کوئی ناپسندیدہ نہ تھا اور اب آپؑ اور آپؑ کے والد سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں ہے۔

پھر وہ شامی آپؑ کے ہاں مہمان بنا اور وہ آپؑ کے خاندان کی ولایت اور امامت پر ایمان لے آیا۔

امام صادق علیہ السلام کی بردباری

محمد بن مرازم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب منصور دوانیقی نے امام جعفر صادقؑ کو اپنے پاس بلایا تھا تو میں امام کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر ہم حیرہ سے روانہ ہوئے اور صالحین پہنچے رات کا پہلا پہر تھا۔ راستے پر عباسی حکومت کا ایک نمائندہ کھڑا تھا۔ اس نے ہماری سواریوں کو روک لیا۔ ہم نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ ہمیں جانے دے مگر اس بدبخت نے ہماری ایک نہ سنی اور بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

میں نے امامؑ سے کہا: "اگر آپؑ اجازت دیں تو میں اس کتے کو قتل کر کے اس کی لاش دریا میں پھینک دوں۔"

مگر امام نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ آخر کار اس نے رات کے تیسرے پہر ہمیں جانے کی اجازت دی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مرازم! اچھا ہوا تم نے طیش میں آکر اسے قتل نہیں کیا تم اسے قتل کرنا چاہتے تھے جب کہ میں تمہیں صبر کا حکم دیتا تھا۔ بتاؤ ہم میں سے کس کا طرزِ عمل درست تھا؟"

پھر آپؑ نے فرمایا: "ان الرجل یخرج من الذل الصغیر فید خله ذلك فی الذل الکبیر" بعض اوقات آدمی چھوٹی مصیبت سے نکلنا چاہتا ہے تو اپنی جلد بازی کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔" (روضہ کافی صفحہ ۸۷)

مفضل بن عمرو اپنی کتاب "التوحید" میں بیان کرتے ہیں کہ جب مشہور دہریہ ابن ابی العوجاء سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے اس کی جسارت آمیز گفتگو سنی تو مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے کہا: "دشمن خدا تو کفر کرتا ہے اور خدا کا انکار کرتا ہے۔"

میرے غصہ کو دیکھ کر ابن ابی العوجاء نے کہا: "اگر تم اہلِ استدلال ہو تو ہم تم سے گفتگو کریں گے، اگر تم غالب ہوگئے تو ہم تمہاری پیروی کریں گے اور اگر تم اہل مناظرہ نہیں تو تم سے بحث کرنا ہی بے کار ہے۔

اگر تم امام صادقؑ کے شاگردوں سے ہوتے تو تمہیں علم ہوتا کہ آپؑ ہم سے اس انداز سے گفتگو نہیں کرتے اور ان کا طریق مجادلہ یہ نہیں ہوتا جو تم نے اپنایا ہوا ہے۔

تم نے ابھی ہم سے کچھ بھی نہیں سنا پھر بھی اتنا ناراض ہوگئے جبکہ ہم امام جعفر صادقؑ کے سامنے بہت کچھ کہتے ہیں مگر وہ ہم سے غصہ نہیں کرتے، آپؑ بردبار، باوقار اور عقل انسانی کے آخری درجہ پر فائز ہیں، آپؑ ہمارے دلائل کو نہایت غور سے سماعت کرتے ہیں اور بعض اوقات تو ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ امامؑ

ہمارے دلائل سے متاثر ہو چکے ہیں لیکن جب امامؑ ہمارے دلائل کو رد کرتے ہیں تو اتنی متانت اور حلم و بردباری کا ثبوت دیتے ہیں کہ ہم شرمندہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے پاس امامؑ کے دلائل کا رد نہیں ہوتا۔

اگر تم امام جعفر صادقؑ کے مکتب سے وابستہ ہو تو پھر ہم سے اسی انداز سے گفتگو کرو جیسا کہ امام کرتے ہیں۔"

علیؑ کے ایک تربیت یافتہ شخص کا حلم

ورام بن ابی فراس اپنے مجموعہ میں نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مالک اشتر فقیرانہ لباس پہنے بازار کوفہ سے گزر رہے تھے ایک بد تمیز دکاندار نے جو انہیں نہیں جانتا تھا ان پر خربوزے کا بیج پھینکا۔ حضرت مالک نے کوئی توجہ نہ کی اور بدستور بازار میں چلتے رہے۔ ایک اور شخص نے اس دکاندار کو متوجہ کیا کہ تو نے جس پر خربوزے کا بیج پھینکا ہے اسے جانتا بھی ہے؟

دکاندار نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو دوسرے شخص نے بتایا: "یہ خلیفۃ المسلمین کی افواج کا سپہ سالار مالک اشتر ہے۔"

یہ سن کر دکاندار گھبرایا اور معافی مانگنے کے لئے مالک اشتر کے پیچھے چل پڑا راستہ میں ایک مسجد آئی۔ مالک نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دکاندار ان کے انتظار میں صحنِ مسجد میں کھڑا رہا۔ جب مالک فارغ ہوئے تو دکاندار نے آکر معافی طلب کی اور کہا: "خدارا مجھے معاف فرمائیں میں نے آپ سے گستاخی کی ہے۔" حضرت مالک نے فرمایا: "بھائی تجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے یہ دو رکعت نماز بھی تیرے استغفار کے لئے پڑھی ہے۔"

مالک اشترؒ کو پہچانیں

مالک اشتر کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ مولائے کائنات امام علی علیہ السلام ان کے لئے فرماتے تھے کہ مجھے مالک پر اسی طرح سے ناز ہے جیساکہ میرے سردار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ پر ناز تھا۔

مولا علی علیہ السلام نے مالک کو مصر کا گورنر بنا کے روانہ کیا۔ معاویہ کو مالک کی تقرری کا علم ہوا تو اس نے "عریش" کے زمیندار کو لالچ دی کہ اگر وہ مالک کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس سے بیس سال کی لگان نہیں لے گا۔

مالک اشتر عریش آئے تو اس زمیندار نے دعوت کی اور دعوت میں اس نے شہد کا پیالہ پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ حضرت مالک نے شہد سے چند قطرے چکھے تو ان کی حالت غیر ہونے لگی اور چند لمحات کے بعد وہ شہید ہوگئے۔

مالک اشتر کی شہادت کی خبر معاویہ کے پاس پہنچی تو وہ بڑا خوش ہوا، وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، اس نے خطبہ میں کہا: "ان اللہ جنودامن العسل شہد میں خدا کے لشکر پوشیدہ ہوتے ہیں۔"

لیکن جب خبر امیر المؤمنینؑ کو ملی تو آپؑ بہت غمگین ہوئے اور آپؑ نے منبر پر یہ خطبہ دیا: "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون والحمدللّٰہ رب العالمین اللھم احتسبہ عندك فان موتہ من مصائب الدھر رحم اللّٰہ مالکا فلقد اوفٰی بعھدہ وقضی نحبہ ولقی ربہ مع انا قد وطنا انفسنا علی ان نصبر علی کل مصیبة بعد مصا بنا برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فانھا من اعظم المصیبات . اناللّٰہ وانا الیہ راجعون والحمد للّٰہ رب العالمین. خدایا! تیری راہ کیلئے میں مالک کی موت پر صبر کر رہا ہوں کیونکہ مالک کی موت زمانہ کی بہت

بڑی مصیبت ہے، خدا مالک کو اپنی رحمت میں جگہ دے اس نے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور اپنی مدت کو گزار کر چلا گیا اور اپنے پروردگار کے حضور پہنچ گیا۔ ہمارے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت سب سے بڑی مصیبت تھی، اس کے بعد ہم نے ہر مصیبت پر صبر کرنے کی عادت بنالی ہے۔"

پھر آپؑ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ مالک اشتر کا خاندان نخع آپؑ کی تعزیت و تسلیت کے لئے آیا تو انہوں نے آپؑ کو افسردہ اور مغموم پایا۔ آپؑ نے ان کے سامنے ان الفاظ میں مالک کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی خدمات کا اعتراف ان جملوں سے فرمایا:

"للّٰہ درّ مالك وما مالك لوكان من جبل لكان فندا ولو كان من حجر لكان صلدا اما واللّٰہ ليهدن موتك عالما وليفرحن عالما على مثل مالك فلتبك البواكى وهل مرجو كمالك وهل موجود كمالك؟ وهل قامت النساء عن مثل مالك؟ اللہ مالک کا بھلا کرے، مالک کیا تھے؟ مالک اگر پہاڑ ہوتے تو عظیم اور بے مثل پہاڑ ہوتے، اگر مالک پتھر ہوتے تو بڑے ہی سخت پتھر ہوتے، خدا کی قسم تیری موت نے ایک عالم کو درہم برہم کردیا اور ہمارے دشمنوں کو خوش و خرم کردیا، عزادار عورتوں کو مالک جیسے انسانوں پر رونا چاہئے، کیا مالک جیسا انسان پیدا ہونے کی کوئی امید ہے؟ یا اس وقت کوئی مالک جیسا انسان موجود ہے؟ اور کیا عورتیں مالک جیسا انسان پیدا کریں گی؟"

آپؑ نے اس موقع پر مزید ارشاد فرمایا: "مالک کی موت نے شامیوں کو باعزت اور عراقیوں کو خوار کردیا۔ اس کے بعد ہم مالک کو نہیں پا سکیں گے۔"

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بردباری

بنی سلیم کے ایک اعرابی نے جنگل سے ایک سوسمار (گوہ) پکڑی اور اسے اپنی آستین میں چھپا کر مدینہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچا اور یا محمدؐ کہہ کر آپؐ کو صدا دی اور پھر جسارت کرتے ہوئے کہا: "انت الساحر الکذاب الذی ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لھجة اکذب منك" تو ہی وہ جھوٹا جادوگر ہے کہ جس سے بڑے جھوٹے پر سایہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی زمین نے اپنی پشت پر تجھ سے بڑے جھوٹے کو اٹھایا۔ مجھے لات و عزیٰ کی قسم اگر میرا قبیلہ مجھے جلد باز نہ کہتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا کام تمام کر دیتا اور تجھے قتل کر کے تمام لوگوں پر فخر و مباہات کرتا۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: "یارسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں میں اسے قتل کرتا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "اجلس یا اباحفص فقد کادالحلیم ان یکون نبیا" حفصہ کے باپ بیٹھ جاؤ، پیغمبر کو حلیم اور بردبار ہونا چاہیے۔"

بدو ایسے ہی ہوتے ہیں یہ غضبناک ہو کر ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں اور تند و تیز باتیں ہمیں سناتے ہیں۔ پھر آپؐ نے اعرابی کی طرف رخ کر کے فرمایا: "بھائی! اسلام قبول کر لے تاکہ آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور اسلام قبول کرنے سے تو ہمارا بھائی بن جائے گا اور ہمارے نفع و نقصان میں شریک ہو جائے گا۔"

یہ سن کر اعرابی اور زیادہ بھڑک اٹھا اور اپنی آستین سے سوسمار کو باہر پھینکا اور کہا: "لات و عزیٰ کی قسم جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لائے میں ایمان نہیں لاؤں گا۔" سوسمار جیسے ہی اس کی قید سے آزاد ہوئی اس نے بھاگنا شروع کیا۔

رحمۃ للعالمین نے اسے صدا دے کر فرمایا: "یا ایتھا الضب قفی" سوسمار ٹھہر جا۔" سوسمار رک گئی۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "مجھے بتا کہ میں کون ہوں؟"

سوسمار نے فصیح عربی میں جواب دیا: "انت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف۔" آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: "تو کس کی عبادت کرتی ہے؟"

سوسمار نے کہا: "میں اس اللہ کی عبادت کرتی ہوں جو دانہ کو شگافتہ کرتا ہے اور جو ارواح کو پیدا کرنے والا ہے، جس نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اور آپؐ کو حبیب بنایا۔"

سوسمار کی گواہی سن کر اعرابی نے سوچا کہ میں نے جس سوسمار کو خود پکڑا اور جسے میں نے خود چھوڑا وہ تو توحید و رسالت کی گواہی دے رہی ہے تو کیا میں ایک سوسمار سے بھی بدتر ہوں اور توحید و رسالت کا منکر ہوں؟ یہ سوچ کر اس نے پیغمبر اکرمؐ سے عرض کی: "آپ ہاتھ بڑھائیں میں مسلمان ہوتا ہوں۔" پھر اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

جب اعرابی مسلمان ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا: "اسے چند سورتیں حفظ کرا دو۔"

پھر آپؐ نے اس سے پوچھا: "تمہاری مالی حیثیت کیسی ہے؟"

اعرابی نے کہا: "مجھے اس ذات برحق کی قسم جس نے آپؐ کو مبعوث بہ رسالت کیا ہے بنی سلیم کے چار ہزار افراد میں سے میں سب سے زیادہ غریب

ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "جو اسے سواری دے میں اس کے لئے جنت کی سواری کی ضمانت دیتا ہوں۔"

سعد بن عبادہ نے کہا: "میرے پاس سرخ رنگ کی اونٹنی ہے اور آٹھ ماہ کی حاملہ بھی ہے میں نے اسے اپنی اونٹنی دی۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: "اسے عمامہ کون دیتا ہے؟ جو اسے عمامہ پہنائے میں اس کے لئے جنت کے عمامہ کی ضمانت دیتا ہوں۔"

حضرت علی علیہ السلام نے اسے عمامہ عطا کیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: "اسے کھانا کون کھلاتا ہے؟ آج جو اسے روٹی کھلائے میں اس کو زادِ آخرت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

سلمانؓ نے پوچھا: "زادِ آخرت کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "مرتے وقت اگر تم نے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھ لیا تو یہ زادِ آخرت ہے اور اگر یہ کلمہ تمہاری زبان سے جاری نہ ہوا تو قیامت کے دن نہ میں تجھے دیکھوں گا اور نہ تو مجھے دیکھے گا۔"

سلمانؓ طعام کے لئے رسول خداؐ کی ازواج کے پاس گئے تو تمام ازواج نے اپنے فاقہ کی خبر دی۔ پھر سلمانؓ خانہ علیؑ و بتولؑ کی جانب روانہ ہوئے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ اگر اچھائی ملی تو درِ فاطمہؑ سے ملے گی۔ دروازہ پر پہنچ کر سلمانؓ نے دستک دی۔

حضرت سیدہؑ نے پوچھا: "کون ہے؟"

تو جواب دیا: "میں سلمان ہوں۔"

پھر سلمانؓ نے اعرابی کے ایمان لانے کا واقعہ مفصل طور پر عرض کیا اور اس کے لئے روٹی کی خواہش کی۔

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: "سلمانؓ ہمارے گھر میں تین دن سے فاقہ ہے۔ بھوک کی وجہ سے میرے لختِ جگر حسن و حسین بے تاب ہیں۔ اس کے باوجود میں دروازہ پر آئی ہوئی نیکی کو رد نہیں کروں گی۔"

پھر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنا پیراہن سلمانؓ کو دے کر فرمایا کہ تم میرا یہ پیراہن شمعون یہودی کے پاس گروی رکھوا دو اس سے کچھ گندم یا جو لے کر آؤ۔

سلمانؓ جناب سیدہ کا پیراہن لے کر شمعون یہودی کے پاس گئے اور جب شمعون نے حضرت سیدہؑ کے پیراہن کو دیکھا تو کہنے لگا: "واقعی یہ وہی زہد و تقویٰ ہے جس کی تعلیم ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں تورات میں دی ہے۔" پھر اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد ایک صاع جو اور کچھ خرمے دیئے۔ (صاع تین کلو گرام کے برابر ہوتا ہے)۔

سلمانؓ وہ جو لے کر جناب سیدہؑ کے پاس آئے، جناب سیدہؑ نے ان کا آٹا تیار کیا اور پھر روٹیاں پکا کر سلمانؓ کے حوالہ کیں۔

سلمانؓ نے عرض کی: "بی بی بہتر ہوتا کہ آپؑ کچھ روٹیاں اپنے اور اپنے بچوں کے لئے رکھ لیتیں۔"

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: "ہم جو اللہ کی راہ میں دے دیں تو اس میں سے اپنا حصہ نہیں نکالتے۔"

سلمانؓ خرما و نان لے کر حضور کریمؐ کی خدمت میں آئے۔

آپؐ نے فرمایا: "طعام کہاں سے لائے ہو؟"

سلمانؓ نے عرض کی: "میں یہ طعام آپؐ کی نورِ نظر کے پاس سے لایا ہوں اور وہ خود تین دنوں سے بھوکی ہیں۔"

رسولِ خدا بیٹی کے گھر تشریف لائے، دستک دی، بیٹی نے دروازہ کھولا تو رسول خداؐ نے دیکھا کہ بیٹی کی آنکھیں بھوک کی وجہ سے اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور ان کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ رسول خداؐ نے اس نقاہت کی وجہ پوچھی تو سیدہؑ نے عرض کیا: "ہم تین دن سے بھوکے ہیں اور میرے بچے ننھے چوزوں کی طرح کمزور ہو چکے ہیں۔"

رسول خداؐ نے اپنے نواسوں کو اپنے زانو پر بٹھایا اور دعا کے لئے ہاتھ بلند کر کے فرمایا: "**یا الھی وسیدی و مولای ھولاء اھل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا**" میرے خدا، میرے سردار اور میرے آقا! یہ میرے اہلبیتؑ ہیں، ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھ اور انھیں ایسی پاکیزگی عطا فرما جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔"

جنابِ سیدہؑ خلوت خانہ میں گئیں اور دو رکعت نماز ادا کی اور خدائے بے نیاز کی درگاہ میں دستِ سوال بلند کر کے عرض کی: "**الھی و سیدی ھذا نبیك محمد وھذا علی ابن عم نبیك وھذان الحسن والحسین سبطا نبیك الھی انزل علینا مائدة من السماء کما انزلت علی بنی اسرائیل اکلوا منھا و کفروا بھا اللھم انزلہ علینا فاننا بھا مؤمنون**" پروردگار! یہ تیرے نبی محمد ہیں اور یہ تیرے نبی کے چچازاد علی ہیں اور یہ تیرے نبی کے نواسے حسن و حسین ہیں، خدایا آسمان سے ہمارے لئے دسترخوان نازل فرما جیسا کہ تو نے بنی

اسرائیل کے لئے دسترخوان نازل کیا تھا۔ انہوں نے رزق کھا کر انکار کیا تھا اور ہم اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔"

راوی حدیث ابن عباس کہتے ہیں کہ جیسے ہی سیدہؑ کی دعا ختم ہوئی، گھر کے ایک کونے میں جنتی طشت پہنچ گیا، جس سے خوشبو اٹھ رہی تھی، حضرت سیدہؑ طعام کا طشت اٹھا کر رسول مقبولؐ کے پاس لائیں۔

حضرت علیؑ نے کہا: "یارسول اللہؐ عجیب بات ہے ہمارے گھر میں تو کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، یہ طشت کہاں سے آگیا؟"

رسول کریمؐ نے فرمایا: "علیؑ تم کھاؤ اور یہ مت پوچھو کہ کہاں سے آیا؟ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے مجھے مریم بنت عمران جیسی بیٹی عنایت فرمائی، ان کے محراب عبادت میں جب بھی ذکریا داخل ہوتے تو انہ کے پاس رزق موجود پاتے اور وہ پوچھتے کہ مریم یہ رزق کہاں سے آیا تو وہ کہتیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دے۔"

رسول خداؐ، حضرت علیؑ، جناب سیدہؑ اور حضرات حسنؑ و حسینؑ نے جنت کی غذا کھائی۔ پھر رسول مقبولؐ باہر آئے تو اعرابی کو آپؐ نے روانہ فرمایا۔

جب وہ اعرابی اپنے قبیلہ بنی سلیم میں پہنچا تو پکار کر کہا: "لوگو! **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** پڑھو۔"

اس کی قوم کے لوگ تلواریں سونت کر اس کی سامنے آئے اور کہا: "تو جادوگر محمد پر ایمان لے آیا ہے؟"

اعرابی نے کہا: "اے میری قوم! محمدؐ نہ تو جادوگر ہے اور نہ ہی جھوٹا ہے، محمدؐ کا خدا بہترین خدا ہے اور محمدؐ بہترین نبی ہے، میں بھوکا ہو کر اس کے پاس گیا

تو اس نے مجھے سیر کیا اور برہنہ ہو کر اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے لباس دیا اور میں اس کے پاس پیدل گیا تو اس نے مجھے سواری دی۔"

پھر اس نے اپنی قوم کو سوسمار کا واقعہ سنایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ بھی اسلام قبول کریں۔ چنانچہ اس دن چار ہزار افراد مسلمان ہوئے۔ (ریاحین الشریعہ جلد ا صفحہ ۱۳۴، بحار الانوار جلد ۱۰ حیاۃ الحیوان لفظ ضب)

بردباری شرطِ نبوت و خلافت ہے

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: "ذوالکفل" کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے؟"

تو آپؐ نے فرمایا: "حضر موت میں ایک نبی رہتے تھے جن کا نام عویدیا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا: "تم میں سے میرا جانشین کون بننا چاہتا ہے مگر جانشین کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حلیم و بردبار ہو اور غصہ میں نہ آئے۔"

یہ سن کر ایک جوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "میں آپؑ کا جانشین بنتا ہوں اور میں آپؑ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ حلم و بردباری سے کام لوں گا اور نبی نے بھی اس کی خلافت قبول کرلی۔"

اس کے بعد عویدیا نبی کی وفات ہوگئی اور وہ جوان ان کا جانشین قرار پایا۔

وہی جوان ذوالکفل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں منصبِ نبوت پر فائز کیا۔

ایک دن ابلیس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو ذوالکفل کو غصہ دلائے۔

ایک جن نے جس کا نام ابیض تھا کہا: "میں انہیں غصہ دلاؤں گا۔"

ذوالکفل کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے اور ظہر کے قریب قیلولہ کرتے تھے۔

ایک دن ذوالکفل جیسے ہی دوپہر کے بعد سوئے تو ابیض ان کے دروازہ پر آیا اور چیخ چیخ کر کہا: "میں مظلوم ہوں میری مدد کرو۔"

حضرت ذوالکفل نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا: "تم جاؤ فریق مخالف کو بھی لے آؤ میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔"

ابیض اپنے مقام سے نہ ہلا تو ذوالکفل نے اس سے پوچھا: "تم فریق ثانی کو بلانے کیوں نہیں جاتے؟"

اس نے کہا: "مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میرے بلانے پر نہیں آئے گا۔"

آپؑ نے اپنی انگوٹھی اسے بطور نشانی دی۔ دوسرے دن پھر ذوالکفل جب گھر میں آرام کر رہے تھے، وہ شیطان ان کے درِخانہ پر آیا اور فریاد کی کہ میری مدد کریں۔

ذوالکفل نیند سے بیدار ہو کر باہر آئے اور پوچھا: "میں نے تمہیں اپنی انگوٹھی بطور نشانی دی تھی تو کیا تم نے اپنے مخالف کو نشانی دکھائی تھی؟"

ابیض نے کہا: "جی ہاں! میں نے آپؑ کی انگوٹھی اسے دکھائی تھی لیکن وہ آپ کے پاس آنے پر رضامند نہ ہوا۔"

ذوالکفل نے اسے رقعہ لکھ کر دیا اور فرمایا: "اپنے مخالف کو میرا رقعہ دینا امید ہے میرا رقعہ پڑھ کر وہ چلا آئے گا۔"

تیسرے دن جب ذوالکفل سوئے ہوئے تھے تو شیطان نے ان کے دروازہ

پر پھر شور مچا کر کہا: "میں مظلوم ہوں میری مدد کرو۔"

آپ نیند سے بیدار ہو کر باہر آئے اور اس سے پوچھا: "تم نے اپنے مخالف کو میرا رقعہ پہنچایا تھا؟"

اس نے کہا: "جی ہاں! اس نے رقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

آپؑ نے کہا: "کوئی حرج نہیں میں تمہارے ساتھ فریق مخالف کے دروازہ پر جاتا ہوں۔" ابیض کے ساتھ آپؑ چل پڑے۔

چند قدم چلنے کی بعد ابیض نے کہا: "میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں میں صرف آپؑ کے حلم کا امتحان لے رہا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ آپؑ نے جو وعدہ کیا تھا اس پر کس حد تک قائم ہیں؟"

اس قصہ کی طرح میں نے ایک عالم کا قصہ بھی پڑھا ہے کہ تین اشخاص نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ وہ اس عالم کو غصہ دلائیں گے جبکہ وہ عالمِ دین انتہائی حلیم وبردبار شخصیت تھے۔

چنانچہ ایک رات آدھی رات کے قریب وہ ان کے دروازہ پر آئے اور زور زور سے دروازے کی زنجیر کو کھٹکھٹایا، جس سے تمام افرادِ خانہ بیدار ہو گئے، دستک سن کر عالمِ دین نے دروازہ کھولا تو ان لوگوں نے سلام کر کے کہا: "جناب معاف کرنا اس وقت ہم آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔"

عالمِ دین نے کہا: "کوئی حرج نہیں ہے۔"

پھر دوسری رات جب تمام افراد سوئے ہوئے تھے انہوں نے پھر وہی حرکت کی۔ جب عالم نے مسئلہ پوچھا تو کہا: "جناب ہم بھول گئے ہیں۔"

تیسری رات انہوں نے پھر اس عالمِ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ عالم نیند سے بیدار

ہو کر باہر آئے تو انہوں نے کہا: "جناب ہم نے آپ سے مسئلہ پوچھنا ہے مگر مسئلہ کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ ہمیں بیان کرتے شرم محسوس ہوتی ہے۔"

عالم دین نے کہا: "نہیں کوئی بات نہیں، آپ بے دھڑک ہو کر مسئلہ پوچھیں۔"

انہوں نے کہا کہ: "آپ ہمیں یہ بتائیں کہ پاخانہ کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟"

یہ سن کر اس عالم نے خفگی کا اظہار کیئے بغیر کہا: "جب پاخانہ خارج ہوتا ہے تو میٹھا ہوتا ہے، پھر تُرش ہو جاتا ہے اور پھر کڑوا ہوتا ہے۔"

ان ساتھیوں نے عالم سے کہا: "آپ کو کس طرح سے اس کا علم ہے؟"

عالم نے کہا: "مجھے اس کا علم اس وجہ سے ہوا کہ مکھی میٹھی چیز پر بیٹھنا پسند کرتی ہے، جب پاخانہ خارج ہوتا ہے تو اس پر مکھیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد مچھر اس پر آکر بیٹھتے ہیں، مچھر تُرشی کو پسند کرتا ہے اور آخر میں اس میں کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں اور کیڑے تلخی کو پسند کرتے ہیں۔"

یہ جواب سن کر تینوں افراد چلے گئے۔

حضرت علیؑ حق بات کیلئے ناراض ہوتے ہیں

سعید بن قیس ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امیر المؤمنین علیہ السلام کو ایک دیوار کے سایہ میں کھڑا دیکھا تو میں نے عرض کی کہ: "آپؑ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا: "میں اس لئے یہاں آکر کھڑا ہوں کہ کسی بے بس کی مدد کروں یا کسی مظلوم کی فریاد رسی کروں۔"

اسی دوران ایک عورت نہایت اضطراب کے عالم میں وہاں سے گزری اور پریشانی کی وجہ سے اسے راستہ کا علم نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ مولائے کائنات امیر المؤمنین علیہ السلام پر پڑی تو اس نے بڑی عاجزی و لاچاری سے مولا کی خدمت میں عرض کی کہ : "میرے شوہر نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مجھے زد و کوب کرنے کی قسم اٹھا چکا ہے۔ آپ چل کر میرے شوہر کے پاس میری سفارش فرمائیں تاکہ وہ مجھے ناحق نہ مارے پیٹے۔"

آپؑ نے فرمایا: "تم اپنے مکان کا پتہ بتاؤ میں کچھ دیر میں وہاں آؤں گا۔"

عورت نے اپنے مکان کا پورا پتہ بتایا تو آپؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں مظلوم کا حق لے کر رہوں گا۔"

کچھ دیر بعد آپؑ اس مکان پر گئے۔ دروازہ پر دستک دی تو ایک جوان جس نے رنگین پیراہن پہنا ہوا تھا بر آمد ہوا۔ آپؑ نے اس جوان سے فرمایا: "خدا سے ڈر تو نے اپنی بیوی کو ناحق پریشان کیا ہوا ہے۔"

جوان جو آپؑ کو نہیں جانتا تھا، کہا: "آپ کو میاں بیوی کے درمیان مداخلت کا کیا حق ہے اب میں اسے آگ میں جلاؤں گا؟"

امیر المؤمنین علیہ السلام کا دستور تھا کہ آپؑ جب بھی باہر نکلتے تو اپنے ساتھ ایک دُرّہ اور ایک تلوار ضرور رکھا کرتے تھے تاکہ جب تادیب کی ضرورت ہو تو دُرّہ کو استعمال کیا جائے اور اگر کوئی تلوار کا حقدار ہو تو اسے کیفرِ کردار تک پہنچایا جاسکے۔

مولاؑ نے کمر سے تلوار نکال کر کہا: "میں تجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہا ہوں اور تو بے چاری بیوی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ توبہ کر

ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔"

جب لوگوں نے آپؑ کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے آئے اور امیر المؤمنینؑ کہہ کر آپؑ کو سلام کرنے لگے تو جوان کو پتا چلا کہ اس کے مخاطب علی علیہ السلام ہیں۔

جوان نے کہا: "مولاؑ میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں، اگر آپؑ حکم دیں تو میں زمین پر لیٹ جاتا ہوں اور میری بیوی میرے اوپر سے گزر جائے۔"

پھر آپؑ نے میاں بیوی میں صلح کرادی اور واپس آتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ سے میاں بیوی میں صلح کرادی۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

ایک اور موقع

جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اس کے اردگرد بہت سے صحابہ نے مکان بنالئے ان کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول مقبولؐ کو حکم ہوا کہ علیؑ کے دروازہ کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے دروازے بند کرادیں۔

رسول کریمؐ نے ان تمام لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ تم اپنے دروازے بند کر دو۔ تمام صحابہ کے دروازے بند ہو گئے۔

آپؐ نے اپنے چچا عباس کو بھی دروازہ بند کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کی: "علیؑ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور آپؐ میرا دروازہ بند کروا رہے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: "میں نے تمہارے دروازے اپنی مرضی سے بند اور علیؑ کا

دروازہ اپنی مرضی سے کھلا نہیں رکھا۔ اللہ نے تمہارے دروازوں کو بند کرنے اور علی کا دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

پھر عباس نے عرض کی: "اچھا تو مجھے اپنا پرنالہ مسجد کی جانب رکھنے کی اجازت عطا فرمائیں تاکہ مجھے بھی کوئی امتیاز حاصل ہو جائے۔"

رسول خداؐ نے عباس کی درخواست قبول فرمائی اور انہیں مسجد کی سمت پرنالہ رکھنے کی اجازت عطا کی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: "لوگو! اللہ نے میرے چچا کو یہ امتیاز عطا کیا ہے۔ خبردار! انہیں کوئی اذیت نہ پہنچائے وہ میرے آباء واجداد کی یادگار ہیں۔ خدا اس پر لعنت کرے جو میرے چچا کو اذیت دے اور ان کے حق کو ضائع کرے یا ان کے خلاف کسی کی مدد کرے۔"

خلیفہ ثانی کے دور تک وہ پرنالہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ ایک دفعہ عباس بیمار ہوئے۔ کنیز نے چھت پر اپنا قمیض دھویا اور پانی پرنالہ سے گرایا۔ کچھ پانی خلیفہ ثانی کے کپڑوں پر بھی گرا۔

انہوں نے غلام کو حکم دیا کہ پرنالہ اکھاڑ کر چھت پر پھینک دے اور کہا: "جس نے پرنالہ دوبارہ اس طرف لگانے کی جرأت کی تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔"

جب عباس کو ان واقعات کا علم ہوا تو وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کے کندھوں کا سہارا لے کر حضرت علیؑ کے گھر آئے اس وقت بخار کی شدت سے ان کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے اٹھ کر چچا کا استقبال کیا اور فرمایا: "آپ نے اس حالت میں آنے کی زحمت کیوں اٹھائی؟"

عباس نے حضرت علیؑ کو پرنالہ اکھاڑے جانے اور دوبارہ نصب کرنے کی صورت میں دھمکیوں کا ذکر کیا اور کہا: "میری دو آنکھیں تھیں جن سے میں دیکھا کرتا تھا میری دائیں آنکھ رسول خداؐ تھے، اور میری بائیں آنکھ تم ہو۔ اب میری ایک آنکھ چلی گئی اور تمہاری شکل میں میری ایک آنکھ باقی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری موجودگی میں مجھ سے وہ شرف و امتیاز کوئی نہیں چھین سکتا جو مجھے رسول خداؐ نے عطا کیا تھا۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا: "چچا جان آپ گھر جا کر آرام فرمائیں، خدا نے چاہا تو آپ کی منشا پوری ہوگی۔"

حضرت علیؑ نے قنبر کو ذوالفقار لانے کا حکم دیا۔ آپؑ نے ذوالفقار کمر سے باندھی اور مسجد آئے اور قنبر کو حکم دیا کہ پرنالہ پرانی جگہ پر نصب کرے۔ قنبر نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا: "جس کسی نے پرنالہ اکھاڑا یا اکھاڑنے کا حکم دیا تو میں اس کی گردن کاٹ دوں گا اور پھر اس کی گردن کو دھوپ میں ڈال دوں گا تاکہ گرمی سے جلتی رہے۔"

خلیفہ ثانی کو اطلاع ملی کہ علی نے پرنالہ دوبارہ نصب کر دیا ہے تو انہوں نے کہا: "ہم علی کو ناراض نہیں کرینگے البتہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرینگے۔"

صبح حضرت علیؑ نے اپنے چچا عباس کو پرنالہ نصب کرنے کی اطلاع دی اور کہا: "آپ کے پرنالہ کے لئے مجھے پوری اہلِ زمین کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑتا تو بھی میں ضرور سامنا کرتا مگر آپ کی خواہش کو پورا کر کے رہتا۔"

عباس اپنی جگہ سے اٹھے اور علیؑ کی پیشانی چوم کر کہا: "ماخاب من انت ناصرہ" جس کے آپ مددگار ہوں وہ ناکام نہیں رہتا۔ (سفینۃ البحار لفظ غضب)

چند روایات

عن علی بن الحسینؑ قال مر رسول اللّٰہ بقوم یتشائلون حجرا فقال ماھذا فقالو نختبر اشدنا و اقوانا فقال الااخبرکم باشدکم و اقواکم قالوا بلٰی یا رسول اللّٰہ قال اشد کم و اقواکم الذی اذراضی لم یدخلہ رضاہ فی اثم ولا باطل و اذ اسخط لم یخرجہ سخطہ من قول الحق واذا ملک یقاط مالیس لہ بحق.

"وسائل جہاد نفس صفحہ ۵۱۶"

امام علی زین العابدین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک ایسے گروہ سے ہوا جو پتھر اٹھا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟"
جوانوں نے کہا: "ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں زیادہ طاقتور کون ہے۔"
آپؐ نے فرمایا: "میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے اندر سب سے زیادہ طاقتور کون ہے؟"
جوانوں نے کہا: "ضرور بتائیں۔"
آپؐ نے فرمایا: "تم میں سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے کہ جب وہ راضی ہو تو اسے اس کی رضا گناہ اور باطل میں مشغول نہ کرے، جب وہ ناراض ہو تو ناراضگی اسے قولِ حق سے باہر نہ نکالے اور جب وہ مالک بنے تو اس چیز پر نظر نہ رکھے جو اس کا حق نہ ہو۔

قال الصادقؑ الحلم سراج اللّٰہ یستضیئ بہ صاحبہ الی جوارہ ولا یکون حلیما الا المؤید بانوار اللّٰہ و بانوار المعرفۃ والتوحید. والحلم یرور علی خمسۃ اوجہ. ان یکون عزیزا فیذل اویکون صادقا فیتھم اوید عوالی الحق فیستخف بہ او ان یؤذیٰ بلا جرم او ان یطالب بالحق ویخالفوہ فان اتیت کلا منھا فقد اصبت و

قابل السفیہ بالا عراض عنہ و ترک الجواب یکن الناس انصارک لامن جاوب السفیہ وکافاہ قدوضع الحطب علی النار قال رسول اللّٰہؐ مثل المؤمن مثل الارض منافعھم منھا و اذاھم علیھا ومن لایصبر علی جفاء الخلق لایصل الی رضاء اللّٰہ.

"بحار جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۸"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "حلم خدا کا وہ روشن چراغ ہے جس سے حلیم خدا کے قرب تک روشنی حاصل کر سکتا ہے اور انسان اس وقت تک حلیم نہیں بن سکتا جب تک وہ اللہ کے نور اور معرفت اور توحید کے نور سے مؤیّد نہ ہو حلم کے پانچ مواقع ہیں: (۱) عزت دار ہو اس کی توہین ہو تو بردباری کرے۔ (۲) انسان سچ کہے لیکن لوگ اسے جھوٹا کہیں۔ (۳) حق و حقیقت کی دعوت کی بنا پر لوگ اس کی تذلیل کریں۔ (۴) بغیر کسی خطا کے اسے اذیت دیں۔ (۵) وہ اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے لیکن وہ اس حق میں اس کی مخالفت کریں۔
اگر ان مواقع پر تو نے حلم کا اظہار کیا تو پھر تو کامیاب ہے۔ اگر کوئی نادان حد ادب سے نکل جائے تو اس کی طرف توجہ نہ کرو اور جواب مت دو۔ اس صورت میں لوگ تمہارے مددگار ہوں گے اگر تم نے احمق کو جواب دیا تو گویا تم نے جلتی پہ تیل گرادیا۔
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مؤمن کی مثال زمین کی طرح ہے لوگ زمین سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور تمام نازیبا کام بھی زمین پر ہی کرتے ہیں جو شخص مخلوق کی جفا پر صبر نہ کرے تو وہ رضائے حق تک نہیں پہنچ سکتا۔"
قال الصادقؑ قال الحواریون لعیسٰی بن مریمؑ یا معلم الخیر علّمنا ای الاشیاء

اشد قال اشد الا شیاء غضب اللّٰه قالوا فبم یتقی غضب اللّٰه قال قال ان لا تغضبوا قالوا وما بدؤ الغضب قال التکبر والتجبر و محقرة الناس.

"سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۱۸"

امام صادقؑ نے فرمایا کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: "اے معلم خیر! آپؑ ہمیں تعلیم دیں کہ سب سے سخت چیز کیا ہے؟"
آپؑ نے فرمایا: "سب سے سخت چیز اللہ کا غضب ہے۔"
حواریوں نے کہا: "تو ہمیں اللہ کے غضب سے کیسے بچنا چاہیئے؟"
حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: "تم غضب کرنا چھوڑ دو۔"
حواریوں کہا: "غصہ کی ابتداء کیسے ہوتی ہے؟"
حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: "غصہ کی ابتداء تکبر، خود خواہی اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے ہوتی ہے۔"

عن الصادقؑ عن ابیہ انہ ذکر عندہ الغضب فقال ان الرجل لیغضب حتی ما یرضیٰ ابدا وید خل بذلک النار فایما رجل غضب وھو قائم فلیجلس فانہ سیذھب عنہ رجز الشیطٰن و ان کان جالسا فلیقم و ایما رجل غضب علی ذی رحمہ فلیقم الیہ ولیدن منہ ویمسہ فان الرحم اذامست الرحم سکنت.

"سفینۃ البحار جلد ۲ لفظ غضب"

امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس "غضب" کی بحث چلی تو انہوں نے فرمایا: "کبھی انسان غصہ کرتا ہے اور پھر کبھی راضی نہیں ہوتا اور یہی ناراضگی اسے دوزخ میں لے جاتی ہے۔"
جب کسی شخص کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے اور بیٹھا ہوا

ہو تو کھڑا ہو جائے۔ اگر کسی شخص کو اپنے رشتہ دار پر غصہ آئے تو اٹھ کر اس کے قریب جائے اور اس کے بدن کو مس کرے تو اس کا غصہ تھم جائے گا۔

بعث ابو عبداللہؑ غلاماله فی حاجة فابطأ فخرج ابو عبداللہؑ علی اثرہ لما ابطأ فوجدہ نائما فجلس عندرأسہ یروّحہ حتی انتبہ فلما تنبہ قال لہ ابو عبداللہؑ یا فلان واللہ ماذلک لک تنام اللیل والنہار لک اللیل ولنا منک النہار.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۱۲"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام کے لئے بھیجا۔ جب اس نے آنے میں دیر کی تو آپؑ اس کی تلاش میں نکلے تو اسے ایک جگہ سوتے ہوئے پایا۔ آپؑ نے اسے پنکھے سے ہوا دینی شروع کی جب وہ بیدار ہوا تو آپؑ نے فرمایا: "تمہارا یہ حق نہیں کہ تم دن کو بھی سوؤ اور رات کو بھی سوؤ۔ تم رات کو نیند کرو اور دن کو ہمارے کام کرو۔"

باب چہارم

سعی و عمل

لَیْسَ للانسان اِلاماسعٰی

جتنا کام اتنی اجرت

ایک لکڑہارا روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچتا تھا اور اس سے اپنے گھر کا خرچ پورا کرتا تھا۔

ایک دن وہ جنگل میں گیا اور درخت کاٹنے لگا۔ اتنے میں ایک شخص وہاں آیا اور درخت کے سامنے بیٹھ گیا۔ لکڑہارا جیسے ہی درخت کی جڑ پر کلہاڑا مارتا تو وہ شخص سامنے بیٹھ کر "ھَہ" کی آواز اپنے منہ سے نکالتا۔

الغرض لکڑہارا دوپہر تک کلہاڑا چلاتا رہا اور وہ شخص "ھَہ" کی آواز منہ سے نکالتا رہا۔ لکڑہارا لکڑیاں بازار میں لے آیا اور فروخت کیں۔ جیسے ہی اسے لکڑیوں کی قیمت ملی تو "ھَہ" کی آواز نکالنے والا شخص اس کے پاس آیا اور کہا: "میرا حصہ مجھے دو۔

لکڑہارے نے کہا: "تمہارا حصہ کیسے بنتا ہے؟"

اس نے کہا: "سارا دن تم کلہاڑہ مارتے رہے اور میں منہ سے "ھَہ" کی آواز

نکالتا رہا۔ آخر مجھے اس کی اجرت ملنی چاہئے۔"

ان دونوں کے درمیان اختلاف اس قدر بڑھا کہ انہیں قاضی کی عدالت میں جانا پڑا۔

قاضی نے دونوں کے بیان سنے اور فیصلہ یہ کیا کہ لکڑہارے سے کہا:

"اسے جو درہم ملے ہیں وہ انہیں زمین پر پھینکے اور ان سے جو آواز پیدا ہو دوسرا شخص اس کی آواز کو سنے کیونکہ اس نے عمل میں شرکت نہیں کی اور صرف "ھَہ" کرتا رہا، اب اس کا بدلہ یہی ہے کہ وہ درہموں کی آواز سن لے کیونکہ الرنة اجرة الانة "ھَہ ھَہ" کی اجرت "ٹَن ٹَن" ہوتی ہے۔

محنت کی عظمت

مفتاح العلوم کے مؤلف سراج الدین سکا کی ایک بلند پایہ عالم تھے اور کئی علوم انہیں ازبر یاد تھے۔ یہ اپنی جوانی میں لوہار تھے اور لوہے کے مختلف اوزار بنایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس دور میں ایک تالا بنایا جس کا وزن صرف ایک قیراط تھا اور اس تالے کو بادشاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے لے گیا۔

بادشاہ اور اس کے درباریوں نے اس کے بنائے تالے کو دیکھا لیکن اس کی کوئی خاص ہمت افزائی نہ کی۔

اسی اثنا میں ایک عالم دربار میں وارد ہوا تو بادشاہ نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں اسے بٹھایا۔

سکا کی نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" اسے بتایا گیا کہ یہ ایک عالم ہے۔

یہ سن کر سکا کی سوچنے لگے کہ اگر میں بھی عالم بن جاؤں تو سلاطین میرا

بھی اتنا ہی احترام کریں گے جتنا کہ اس عالم کا احترام ہو رہا ہے۔

اس وقت سکاکی کی عمر تیس سال کی تھی وہ تحصیل علم کے لئے مدرسہ گئے۔ اسے دیکھ کر مدرس نے کہا: "مجھے پڑھانے سے تو انکار نہیں ہے لیکن تم اس عمر و سن میں کچھ یاد نہیں کر سکو گے۔"

سکاکی نے کہا: "میں ہر قیمت پر مسائل یاد کروں گا۔"

مدرس نے کہا: "میں تمہارے حافظہ کا امتحان لوں گا پھر تمہیں پڑھانا شروع کروں گا۔"

مدرس نے امام شافعی کے اجتہادات میں سے ایک مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ تم اس عبارت کو حفظ کرو۔ عبارت یہ تھی: "قال الشیخ یطهر جلدالکلب بالدباغ" شیخ کا قول ہے کہ دباغت سے کتے کی جلد پاک ہو جاتی ہے۔"

مدرس نے کافی دیر تک سکاکی کو یہ عبادرت یاد کرائی۔ دوسرے دن سکاکی نے اس عبارت کو یوں سنایا: "قال الکلب یطهر جلد الشیخ بالدباغ" کتے کا قول ہے کہ شیخ کی جلد دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔"

مدرسے میں جتنے طلباء بیٹھے تھے وہ یہ عبارت سن کر ہنسی سے زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ سکاکی اپنے مستقبل سے مایوس ہوگئے اور دل میں کہنے لگے کہ اس عمر میں کچھ پڑھنا بے کار ہے اور بالخصوص جب قوت حافظہ کمزور ہو۔ انہوں نے مدرسہ چھوڑنے کا قصد کیا۔

اسی دوران ان کا گزر ایک پہاڑ سے ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ سے پانی قطرہ قطرہ نیچے گر رہا تھا اور جہاں پانی کے قطرے گر رہے تھے وہاں سخت پتھر تھا اور پانی کی مسلسل بوندیں گرنے کی وجہ سے پتھر میں سورخ ہو چکا تھا۔

سکاکی اس منظر کو کافی دیر تک دیکھتے رہے اور اپنے دل میں کہا کہ پتھر سے

زیادہ سخت کوئی چیز نہیں ہے اور پانی سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں ہے۔

نرم پانی کی ایک ایک بوند پڑنے سے سخت پتھر میں سوراخ ہو سکتا ہے تو میرا دل و دماغ پتھر سے تو زیادہ سخت نہیں ہے۔ یہ سوچ کر ایک نئے عزم و ارادہ سے اس نے پڑھنا شروع کیا۔ آخر کار چند سالوں کے بعد وہ اپنے زمانہ کا مشہور عالم بن گیا۔

زیادہ اجرت زیادہ کام کے بغیر نہیں ملتی

مسجد نبوی میں ایک اعرابی وارد ہوا اور دو رکعت نماز بڑی جلدی سے پڑھی اور نماز میں نہ تو اس نے قرأت کا لحاظ رکھا اور نہ ہی طمانیت کو اس نے ملحوظ خاطر رکھا امام علی زین العابدین علیہ السلام اس کی نماز کو دیکھ رہے تھے۔ نماز کے بعد اعرابی نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کہا: "خدایا مجھے جنت کے اعلیٰ درجات عنایت فرما، مجھے جنت میں ایک سنہری محل اور چار حوریں عطا فرما۔"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "عجیب آدمی ہو، حق مہر تو بہت کم دے رہے ہو اور چار حوروں سے بیک وقت نکاح کرنا چاہتے ہو۔" (لطائف الطوائف صفحہ ۴۱)

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے

محدثِ جلیل سید نعمت اللہ جزائری تحریر کرتے ہیں کہ ایک زمانے میں میرے ذہن میں یہ عجیب سوال پیدا ہوا کہ شیطان نے چھ ہزار سال تک بندگی کی تھی اور ہمیں پوری طرح سے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ چھ ہزار سال دنیا

کے تھے یا آخرت کے تھے؟ اس کے باوجود سجودِ آدمؑ کے حکم کے وقت اسے توفیق الٰہی کیوں میسر نہ آئی جیسا کہ ملائکہ کو میسّر آئی تھی؟ جب چھ ہزار برس عبادت کرنے والا توفیق سے محروم رہا تو ساٹھ ستر سال عبادت کرنے والے کو توفیقِ ایزدی کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

ایک عرصے تک یہ سوال میرے ذہن میں خلش پیدا کرتا رہا۔ آخر کار میرے استاد محترم علامہ مجلسیؒ نے چند روایات کی طرف میری توجہ مبذول کرائی جن سے میرا عقدہ وا ہوا اور میری ذہنی پریشانی دور ہوئی۔

ان روایات کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان کا تعلق گروہ جنات سے تھا۔ قوم جنات نے سرکشی کی تو اللہ نے ملائکہ کو ان کے خاتمہ کے لئے بھیجا۔ ملائکہ نے تمام قوم جنات کو قتل کر دیا اور شیطان نے اپنی جان بچانے کے لئے ان کے سامنے اپنے آپ کو مؤمن کے طور پر پیش کیا۔

الغرض تمام قومِ جنات میں سے اکیلا ابلیس باقی رہ گیا تو اس نے ملائکہ سے کہا کہ: "میری پوری قوم کو تم نے قتل کر دیا ہے اور اب میں اکیلا یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ لہٰذا تم مجھے اپنے ساتھ آسمان پر لے جاؤ۔ میں وہاں تمہارے ساتھ مل کر عبادت کروں گا۔"

ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی اور اسے اپنے ساتھ آسمانوں پر لے گئے۔ اس نے آسمانی الواح میں سے ایک لوح پر یہ تحریر لکھی دیکھی کہ: "میں کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ عمل دنیا کیلئے ہو یا آخرت کے حصول کیلئے ہو۔"

اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **"ومن یرد حرث الاخرة نزدله فی حرثه ومن یرد حرث الدنیا نؤته منها وماله فی الاخرة من خلاق"**

جو آخرت کی کھیتی کو طلب کرے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی طلب کرے تو ہم اسے دنیا کی کھیتی کا ثمر دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔"

جب شیطان نے آسمانی لوح کو پڑھا تو اس نے سوچا کہ آخرت ادھار ہے اور دنیا نقد ہے اور کوئی عقل مند نقد کی بجائے ادھار پر راضی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نے دنیا کے لئے عبادت کرنا شروع کی۔

اللہ تعالیٰ کو اسے دنیا میں اس کا اجر تو دینا ہی تھا، لہٰذا اسے رئیس ملائکہ کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور جب سجود آدمؑ کا حکم ملا تو اس کی نیت واضح ہو گئی اور اسے توفیق الٰہی میسر نہ آئی۔ اگر ابلیس نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے عبادت کی ہوتی تو یقیناً اسے توفیق الٰہی میسر آتی اور وہ لعین بننے سے محفوظ رہتا۔

جنت فضل سے ملتی ہے یا عدل سے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک عابد ایک غار میں رہ کر سالہا سال اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے غار کے کنارے ایک انار کا درخت پیدا کیا۔ وہ موسم گرما میں تازہ انار کھاتا اور کچھ انار موسم سرما کے لئے غار میں محفوظ کر لیتا تھا۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اس عابد کو حساب کے مرحلہ میں داخل کیا جائے گا تو آواز قدرت آئے گی: "اسے ہمارے فضل و کرم کے تحت جنت میں بھیجو۔"

عابد عرض کرے گا: "خدایا! میں نے سالہا سال تیری عبادت کی مجھے

فضل نہیں تیرے عدل کی ضرورت ہے۔"

ارشاد پروردگار ہوگا کہ: "اس کے عمل کو میزان میں رکھ کر تولو اور ہماری نعمتوں کا بھی وزن کرو۔"

چنانچہ عابد کی زندگی کی تمام نیکیاں میزان کے ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور دوسرے پلڑے میں ایک دانہ انار رکھا جائے گا تو انار کا وزن اس کی عبادت سے زیادہ ہوگا، اس وقت عابد کہے گا: "پروردگار! مجھے تیرا عدل نہیں بلکہ تیرے فضل کی ضرورت ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کو پروردگار نے وحی فرمائی کہ: "اے داؤدؑ! اس طرح سے میرا شکر ادا کرو جیسا کہ شکر کرنے کا حق ہے۔"

حضرت داؤدؑ نے عرض کی: "خدایا میں تیرا کما حقہ شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں کیونکہ شکر بذات خود ایک نعمت ہے اور ہر نعمت متقاضی شکر ہے۔"

اس کے بعد پھر وحی الٰہی آئی: "داؤدؑ! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہمارے شکر ادا کرنے سے قاصر ہو تو تم نے ہمارا اسی طرح سے شکر کیا جیسا کہ شکر کرنے کا حق ہے۔"

سعدی نے گلستان کے ابتدائیہ میں خوبصورت جملے لکھے ہیں: "اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس کی اطاعت موجبِ قرب اور جس کا شکر اضافۂ نعمت کا سبب ہے، ہر سانس پر جو اندر جاتی ہے ممد حیات ہے اور جو باہر نکلتی ہے وہ معرضِ ذات ہے۔ ہر سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔"

از دست و زبان کہ برآید
کز عہدہٗ شکرش بدر آید

شاہی کی قیمت

بیان کیا جاتا ہے کہ ہارون الرشید کے پاس ایک واعظ گیا۔ ہارون نے اس سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو اس نے کہا: "بادشاہ! اگر آپ سخت پیاسے ہوں اور کہیں سے بھی پانی نہ ملے اور ایک شخص آپ کو ایک جام دے تو بتایئے اس کی کتنی قیمت دینے پر آپ رضامند ہو سکتے ہیں؟"

ہارون نے کہا: "میں اس حالت میں آدھی حکومت دینے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

پھر واعظ نے کہا: "اچھا اگر وہی پانی آپ کے اندر رک جائے اور پیشاب نہ آئے اور آپ پیشاب کی وجہ سے بہت زیادہ اذیت محسوس کریں تو پانی نکالنے کے لئے کیا قیمت دیں گے؟"

ہارون نے کہا کہ: "میں آدھی حکومت دے دوں گا۔"

واعظ نے کہا: "ہارون! ایسی حکومت و مملکت پر ناز نہیں کرنا چاہئے جس کا آدھا حصہ پانی پینے اور آدھا حصہ پانی نکالنے کی قیمت ہو۔" (انوار نعمانیہ)

قرابتِ رسول مؤثر ہے یا عمل؟

حسن بن موسیٰ بغدادی کہتے ہیں کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کے پاس خراسان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس محفل میں امام علی رضا علیہ السلام کا بھائی زید بن امام موسیٰ کاظم بھی موجود تھا اور اس کے پاس بھی چند افراد بیٹھے تھے۔

زید ان سے بڑے فخریہ لہجہ میں کہہ رہا تھا کہ ہم ایسے ہیں، ہم نے یہ کہا،

ہم نے وہ کیا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے اس کی یہ گفتگو سن لی۔

اس سے قبل زید نے بنی عباس کے خلاف مدینہ میں خروج کیا تھا اور عباسیوں کے کچھ گھروں کو آگ لگادی تھی اسی لئے اسے "زید النار" کہا جاتا تھا۔

مامون نے اس کے مقابلہ کے لئے فوج روانہ کی۔ زید گرفتار ہوا تو مامون نے اسے ان کے بھائی امام علی رضا علیہ السلام کے پاس بھیج دیا تھا۔

امام نے زید کو مخاطب کر کے فرمایا: "کوفہ کے بعض نادانوں کی زبانی تم نے یہ حدیث سنی ہے "ان فاطمة احصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار" فاطمہ کی پاکیزگی کی وجہ سے اللہ نے اس کی اولاد پر دوزخ حرام کی ہے۔"

چنانچہ تم یہ حدیث سن کر مغرور ہوگئے۔ یاد رکھو یہ حدیث صرف امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لئے ہے جو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے بلافصل فرزند ہیں۔ کبھی تو نے یہ بھی سوچا کہ تو معصیت خدا کر کے جنت میں جائے اور تیرا باپ موسیٰ کاظمؑ دن رات خدا کی عبادت کر کے جنت میں جائے تو اس صورت میں تیرا مقام تیرے باپ سے بلند نہ ہوگا۔

خدا کی قسم "ماينال احد ما عندالله الا بطاعة" مقام قرب اور جنت اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر تیرا یہ خیال ہو کہ تو خدا کی معصیت و مخالفت کر کے جنت میں چلا جائے گا تو یہ تیری خام خیالی ہے۔ جب کہ امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان ہے ہم میں سے نیکوکار کو دوگنا اجر ملے گا اور بدکار کو دگنی سزا ملے گی۔

زید نے کہا: "میں آپ کا بھائی ہوں آپ کے باپ کا بیٹا ہوں۔"

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: "تو اس صورت میں میرا بھائی ہے جب تو اللہ کی اطاعت کرے۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ احدیت میں عرض کی تھی: "پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: "ان ليس من اهلك انه عمل غير صالح" تمہارے اہل میں سے نہیں ہے اس کے عمل صحیح نہیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی وجہ سے نوح کے بیٹے کو اہل سے خارج کردیا۔

عمیر خراسانی کے غلام

عمیر خراسانی ایک بادشاہ تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے غلاموں کو بہترین پوشاک پہنایا کرتا تھا اور ہر لحاظ سے غلاموں کو دیکھ بھال کرتا تھا۔

ایک مرتبہ عمیر خراسانی کے غلام زربفت کا لباس پہن کر گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: "خدایا! بندہ پروری کا طریقہ کوئی عمیر خراسانی سے سیکھے۔" (نعوذباللہ)

چند دن گزرے کہ ایک مخالف بادشاہ نے عمیر کی مملکت پر حملہ کردیا اور آخر کار تابِ مقاومت نہ لاتے ہوئے عمیر بھاگ گیا۔ مخالف بادشاہ نے عمیر کے غلاموں کو گرفتار کر لیا اور پہلے تو بہت لالچ دیا کہ تم عمیر کے چھپے ہوئے خزانوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ لیکن غلاموں نے زبان نہ کھولی۔ پھر اس نے ان غلاموں پر ظلم و ستم کیا تاکہ وہ اس کی مخفی خزانے اسے بتائیں لیکن غلاموں نے پھر بھی اسے کچھ نہ بتایا۔

غلاموں کی وفاداری دیکھ کر اس شخص کو حیا آئی اور کہنے لگا کہ طریقہ بندگی بھی عمیر خراسانی کے غلاموں سے سیکھنا چاہئے۔

مؤمنین کے گناہ کیسے زائل ہوتے ہیں؟

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "تم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں جاؤ اور ان سے جاکر پوچھو کہ کیا میں ان کا شیعہ ہوں؟"

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: "اپنے شوہر سے جاکر کہو اگر وہ ہمارے اوامر پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے ہم نے روکا ہے ان سے باز رہتا ہے تو وہ ہمارا شیعہ ہے ورنہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔"

بیوی کی زبان سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا یہ جواب سن کر وہ شخص بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا: "افسوس انسان کس طرح سے پاک ہو سکتا ہے جب کہ انسان فطری طور پر گناہ گار ہے اور گناہگار تو آلِ محمدؐ کا شیعہ ہی نہیں ہے اور جو اس گھرانہ کا شیعہ نہ ہو وہ ابدی دوزخ کا حقدار ہے۔"

اس شخص کی بیوی نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے سامنے اپنے شوہر کی پریشانی کا ذکر کیا تو حضرت سیدہ نے فرمایا: "اپنے شوہر سے جاکر کہو کہ جیسا کہ اس نے سوچا ہے ایسا نہیں ہے۔ ہمارے شیعہ اہل جنت کے بہترین افراد ہیں۔ جو شخص ہم سے دوستی رکھے اور ہمارے دوستوں سے بھی دوستی رکھے اور ہمارے دشمنوں سے دشمنی رکھے اور قلب و زبان سے ہمارے فرمان کو تسلیم کرے لیکن اوامر و نواہی میں ہماری مخالفت کرے تو ایسا شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے۔ ایسا شخص جنت میں ضرور جائے گا لیکن اس سے پہلے دنیاوی شدائد و مشکلات کو دیکھے گا یا

روز قیامت شدائد و مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑے گا۔ یا وہ دوزخ کے پہلے طبقہ میں کچھ عرصہ رہے گا پھر جب وہ ہماری محبت کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جائے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (بحارالانوار جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۵)

ایسے افراد کتنے ہیں؟

مامون رقی کہتے ہیں ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ سہل بن حسن خراسانی امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا: "مولا! آپؑ رحیم و کریم خاندان کے فرد ہیں، امامت آپؑ کا حق ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپؑ اپنے حق کے لئے جنگ نہیں کرتے جبکہ اس وقت آپؑ کے لاکھوں عقیدت مند موجود ہیں اور ہزاروں شرربار تلواریں آپؑ کی نصرت کے لئے حاضر ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ابھی بیٹھو تھوڑی دیر بعد تمہیں جواب دونگا۔"

پھر آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ تنور روشن کرے، جب تنور روشن ہوگیا اور آگ سے بھر گیا تو آپؑ نے سہل سے فرمایا: "اس تنور میں جاکر بیٹھ جاؤ۔"

سہل خراسانی یہ حکم سن کر پریشان ہوا اور معذرت طلب کی۔ اسی دوران میں ہارون مکی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: "ہارون! جوتی باہر رکھ دے اور تنور میں جاکر بیٹھ۔"

ہارون نے فوراً آپؑ کے حکم کی تعمیل کی جیسے ہی ہارون تنور میں جاکر بیٹھا تو آپؑ نے اوپر سے تنور کا ڈھکنا بند کردیا اور سہل سے خراسان کے متعلق کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ پھر آپؑ نے سہل خراسانی سے فرمایا: "ذرا تنور کے پاس

جاؤ اور ہارون کا حال ملاحظہ کرو۔"

سہل تیزی سے تنور پر آیا اور ڈھکن اٹھا کر دیکھا تو ہارون ایک سر سبز باغیچہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈھکن اٹھتے ہی ہارون اٹھا اور باہر آگیا۔

امام علیہ السلام نے سہل خراسانی سے پوچھا: "خراسان میں ایسے افراد کی تعداد کتنی ہے؟"

سہل نے کہا: "خدا کی قسم ایک بھی نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "جب اس طرح کے ہمیں پانچ افراد بھی مل گئے تو ہم اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم خود بہتر جانتے ہیں کہ ہمیں کب خروج کرنا چاہئے۔" (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۹)

درسِ عبادت امام زین العابدینؑ سے حاصل کریں

حضرت فاطمہ دختر امیر المؤمنین علیہ السلام نے جب امام زین العابدین علیہ السلام کی کثرت عبادت کو دیکھا اور یہ مشاہدہ کیا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کثرتِ عبادت کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گئے ہیں تو وہ صحابی پیغمبرؐ جابر بن عبداللہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے فرمایا: "جابر! تم جیسے لوگوں پر ہمارا حق ہے کہ جب تم ہم میں سے کسی کو اتنی عبادت کرتے دیکھو جس کی وجہ سے وہ سخت کمزور و ناتواں ہو جائے تو اسے جاکر یہ یاد دہانی کراؤ کہ کم از کم اپنی جان کا تو لحاظ رکھے۔ میرے بھائی سید الشہداء کی یادگار علی بن الحسین زین العابدین کے پاس جاؤ۔ ان کی حالت یہ ہے کہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کی پیشانی اور زانو اور ہاتھ زخمی ہو چکے ہیں۔"

حضرت جابر روانہ ہوئے جب امام زین العابدین کے مکان پر آئے تو امام محمد باقر علیہ السلام پر ان کی نظر پڑی تو ان کی چال کو انہوں نے غور سے دیکھنا شروع کیا اور بے ساختہ کہا: "مشية رسول الله" یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال ہے۔"

پھر انہوں نے امام محمد باقرؑ کو بلا کر کہا: "آقا زادہ! آپؑ کون ہیں؟"

تو امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: "میں محمد بن علیؑ بن حسینؑ ہوں۔"

یہ سن کر جابر رونے لگے اور کہا: "میرے ماں باپ آپؑ پر نثار ہوں، آپؑ میرے قریب آئیں۔"

امام باقرؑ قریب آئے تو جابر نے ان کے پیراہن کے تکمے کھول کر ان کے سینہ کو چوما اور اپنا منہ ان کے سینہ پر لگایا اور کہا: "میں آپؑ کو آپؑ کے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام پہنچاتا ہوں اور رسول خداؐ نے ایک دن مجھے یہ فرمایا تھا: "یوشك ان تعیش و تبقی حتی تلقی من ولدی من اسمه محمد یبقر العلم بقرا وقال انك تبقی حتی تعمی ثم یكشف عن بصرك"

جابر تو میرے بعد زندہ رہے گا اور میری اولاد میں سے تیری ملاقات اس سے ہوگی جس کا نام محمد ہوگا اور وہ علم کے چشموں کو ظاہر کرے گا۔ تو زندہ رہے گا یہاں تک کہ تو نابینا ہو جائے گا پھر اس کی بعد بینا ہوگا۔"

پھر حضرت جابر نے کہا: "صاحبزادے اپنے والد سے ہماری ملاقات کی اجازت حاصل کرو۔"

امام باقرؑ اپنے والد کے پاس آئے اور عرض کی: "ایک بوڑھا شخص دروازہ پر آیا ہے اس نے میرے سینہ کے بوسے لئے ہیں اور مجھے رسول خداؐ کے سلام

پہنچائے ہیں اور اس وقت وہ آپ سے اجازت کے طالب ہیں۔"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "نور چشم! یہ جابر بن عبداللہ انصاری ہیں ان سے کہو کہ اندر آجائیں۔"

جابر اندر آئے اور امام زین العابدین پر ان کی نظر پڑی تو دیکھا کہ عبادت کی وجہ سے آپؑ انتہائی کمزور ہو چکے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں انہیں بٹھایا۔

جابر نے عرض کی: "فرزند رسولؐ! کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ نے جنت کو آپؑ اور آپؑ کے دوستوں کیلئے پیدا کیا ہے اور دوزخ کو آپ کے دشمنوں کے لئے خلق کیا ہے، پھر اس کے باوجود آپ اتنی زحمت کیوں کرتے ہیں؟"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "جابر! کیا تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا جبکہ آپؐ معصوم تھے اور اللہ نے انہیں یہ بھی کہا تھا: "لیغفرلك اللہ ماتقدم من ذنبك وما تأخر" اس کے باوجود بھی آپؐ اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔"

لوگوں نے رسول خداؐ سے کہا تھا کہ آپؐ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا تھا: "أفلا اکون عبدا شکورا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

جابر نے عرض کی: "مولا! آپؑ کچھ اپنی جان کا بھی خیال کریں کیونکہ آپؑ کا تعلق اس گھرانے سے ہے جس کے واسطہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کی برکت سے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "جابر! لاازال علی منهاج ابوی متأسیا بهما صلوات

اللہ علیهما حتی القاهما میں اپنے والدین محمد مصطفیؐ اور علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہما کے راستے پر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں ان سے ملاقات کروں۔"

جابر نے کہا: "اولاد انبیاء میں میں نے علی بن الحسینؑ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا اور انہی کی نسل سے وہ پیدا ہوگا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جبکہ اس سے پہلے دنیا ظلم وجور سے بھری ہوگی۔" (بحارالانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۹)

امام محمد باقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں گیا تو میں نے دیکھا شب بیداری کی وجہ سے ان کا چہرہ زرد تھا اور خوفِ خدا میں گریہ کرنے کی وجہ سے ان کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اور کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کی پیشانی زخمی تھی اور مسلسل قیام کی وجہ سے ان کے پاؤں متورّم تھے۔ میں ان کی یہ حالت دیکھ کر مزید برداشت نہ کرسکا اور رونے لگا۔

کچھ دیر بعد آپؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "بیٹا! اپنے دادا علیؑ کی عبادت کا مجھے کچھ حال سناؤ۔"

میں نے مولا امیرالمؤمنین علیہ السلام کی عبادت کا کچھ حال بیان کیا تو فرمایا: "من یقوی علی عبادة علی بن ابی طالب؟" علی بن ابی طالبؑ جیسی عبادت کون کرسکتا ہے؟"

ایک نصیحت کی بات

قارئین کرام! آپ نے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی عبادت کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس مشعلِ نور سے استفادہ کریں۔ کیا

آپ یہ گمان کرسکتے ہیں کہ ان مقصودِ کائنات ہستیوں کو خدا پر حسنِ ظن نہیں تھا؟ اور کیا انہیں یہ علم نہیں تھا کہ اللہ ارحم الراحمین ہے؟ اور کیا آپ ان کے متعلق یہ تصور کرسکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غلطیوں کے ازالہ کے لئے اتنی عبادت کی ہو؟ حاشاوکلا۔

یہ ذوات قدسیہ معصوم تھیں تو پھر آیئے چند لمحات کے لئے غور کریں کہ جب انہیں اپنے خدا پر حسنِ ظن بھی تھا اور وہ ذوات عالیہ گناہوں سے بھی مبرا تھیں تو انہیں اتنی عبادت کی ضرورت کیا تھی؟

اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں: "ان العبادۃ ثلاثۃ: قوم عبد وااللہ عزوجل خوفافتلک عبادۃ العبید و قوم عبد وااللہ تبارک و تعالیٰ طلب الثواب فتلک عبدۃ الاجراء و قوم عبد وااللہ عزوجل حبالہ فتلک عبادۃ الاحرار"

عبادت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں:

۱) ایک گروہ نے دوزخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کی تو یہ غلاموں کی عبادت ہے۔

۲) ایک گروہ نے ثواب و جنت کے طمع میں اس کی عبادت کی یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔

۳) ایک گروہ نے اللہ کی محبت کی وجہ سے عبادت کی۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔ یہ گروہ دوزخ کے شعلوں سے گھبرا کر تاریکی شب میں عبادت نہیں کرتا اور جنت کی نعمات کے لالچ میں بھی وہ عبادت نہیں کرتا۔ ہاں اگر وہ عبادت کرتے ہیں تو اللہ کو عبادت کے لائق سمجھ کر

عبادت کرتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نماز کے بعد دست دعا بلند کر کے یہ کہا کرتے تھے: "الھی ماعبدتک خوفا من نارک ولا طمعا فی جنتک بل وجدتک اھلا للعبادۃ فعبدتک" پروردگار! میں نے تیری دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کی اور جنت کی لالچ میں بھی میں نے تیری عبادت نہیں کی میں نے تجھے عبادت کا اہل پایا تو تیری عبادت کی۔

اس مقام پر ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ یہ مقام خاندان عصمت و طہارت کے لئے مخصوص ہے۔ مگر مقام افسوس ہے کہ ہم سے تو غلاموں والی عبادت بھی ادا نہ ہوسکی۔

امام زین العابدینؑ کا فرمان ہے: "ان ابغض الناس الی اللہ من یقتدی بسنۃ امام ولا یقتدی با عمالہ" اللہ کو وہ شخص سخت ناپسند ہے جو کسی امام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ تو کرے لیکن کردار میں اس کی پیروی نہ کرے۔

ہم آلِ محمدؐ کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے افراد سے التماس کرتے ہیں کہ خدارا وہ پیروی اہلبیت میں نماز قائم کریں اگر بالفرض اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے نمازِ شب ادا نہیں کرتے۔ تو کم از کم نماز فریضہ تو ضرور ادا کریں۔

چند روایات

عن ابی عبداللہؑ قال: قال رسول اللہؐ افضل الناس من عشق العبادۃ فعانقھا واجبھا بقلبہ و باشر ھابجسدہ و تفرغ لھا فھو لایبالی علی ما اصبح من الدنیا علی عسر ام علی یسر۔

"الکافی جلد ا صفحہ ۸۳"

حضرت امام جعفر صادقؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "بہترین انسان وہ ہے جو عبادت کا عاشق ہو اور کسی عزیز کی طرح عبادت کو گلے سے لگالے اور دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کرے اور اپنے بدن کے ذریعہ سے عبادت بجا لائے، اس کی ادائیگی کے لئے وقت نکالے، اور اپنی دنیا کے متعلق یہ نہ سوچے کہ آرام سے گزر رہی ہے یا سختی سے گزر رہی ہے۔"

عن ابی ذرفی حدیث قال قلت له یا رسول الله فما کانت صحف ابراهیم قال کانت امثالا کلها فمنها ایها الملك المبتلیٰ المغرور انی لم ابعثك لتجمع الدنیا بعضها علی بعض ولکن بعثتك لتردعنی دعوة المظلوم فانی لااردها وان کانت من کافر و علی العاقل مالم یکن فعلو بان تکون له ساعات، ساعة یناجی فیها ربه و ساعة یحاسب فیها نفسه و ساعة یتفکر فیها صنع الله الیه و ساعة یخلو فیها بحظ نفسه من الحلال فان هذه الساعة عون لتلك الساعات واستجمام للقلوب و تفریغ لها.

"وسائل جہاد نفس صفحہ ۵۳۰"

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ: "صحف ابراہیمؑ میں کیا تھا؟"

آپؐ نے فرمایا: "ان میں سب کی سب نصیحتیں تھیں، اس میں یہ نصیحت بھی تھی کہ اے مغرور بادشاہ! میں نے تجھے دنیا میں اس لئے بادشاہی نہیں دی کہ تو دولت اکٹھی کرتا رہے، میں نے تجھے اس لئے بادشاہی دی کہ تو مظلوم کی فریاد کو مجھ تک نہ پہنچنے دے، میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر ہی کیوں

نہ ہو۔ اس میں یہ نصیحت بھی تھی کہ ہر عاقل شخص پر جو خواہش نفس سے مغلوب نہ ہو ضروری ہے کہ وہ دن رات کے وقت کو اس طرح سے تقسیم کرے، ایک ساعت کو پروردگار سے مناجات کے لئے مخصوص کرے اور ایک ساعت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایک ساعت میں اپنے اوپر ہونے والے خدائی احسانات کے متعلق غور و فکر کرے۔ ایک اور ساعت حلال طریقہ سے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے مخصوص کرے اور یہ ساعت باقی ساعات کے لئے مددگار ہے اور دلوں کی شادمانی کا ذریعہ اور آسودگی خاطر کا سبب ہے۔"

عن المفضل قال قال الصادقؑ من استوی یوماه فهو مغبون ومن کان اخر یومه شرهما فهو ملعون و من لم یعرف الزیادة فی نفسه کان الی النقصان اقرب ومن کان الی النقصان اقرب فالموت خیرله من الحیاة.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۳"

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جس کے دو دن برابر ہوں تو اس نے نقصان اٹھایا اور جس کا دوسرا دن پہلے دن سے برا ہو تو وہ ملعون ہے اور جسے اپنے اندر ترقی اور پیش رفت محسوس نہیں ہوتی وہ تنزل کے قریب تر ہے اور جو تنزلی کے قریب تر ہو اس کی زندگی سے اس کا مر جانا بہتر ہے۔"

عن جابر الجعفی عن الباقر صلوات الله علیه قال: یا جابر بلّغ شیعتی عنی السلام واعلمهم انه لاقرابة بیننا و بین الله عزوجل ولا یتقرب الیه الا بالطاعة له یا جابر من اطاع الله واحبنا فهو ولینا ومن عصی الله لم ینفعه حبّنا.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۲"

جابر جعفی کہتے ہیں امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: "جابر! میرے

شیعوں کو میری طرف سے سلام پہنچاؤ اور انہیں یہ بتادو کہ ہماری خدا سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اللہ کا تقرب اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔
جابر! جس نے اللہ کی اطاعت کی اور ہم سے محبت کی تو وہ ہمارا دوست ہے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اسے ہماری محبت فائدہ نہ دے گی۔"

عن علی علیه السلام ان المؤمن لعنه منه فی شغل و الناس منه فی راحة اذا جن اللیل افترش وجهه و سجدللّٰه عزوجل بمکارم بدنه ویناجی الذی خلقه فی فکاك رقبته الا هکذا فکونوا.

"سفینہ جلد ا صفحہ ۳۱"

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: مؤمن کو ہمیشہ اپنے نفس کی فکر رہتی ہے کہ کہیں وہ بے لگام نہ ہو جائے اور لوگ اس سے آسودگی حاصل کرتے ہیں جب رات چھا جاتی ہے تو مؤمن اپنے چہرے کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور اپنے اشرف ترین عضو (پیشانی) سے اس کا سجدہ کرتا ہے۔ اور اپنے خالق سے مناجات کرتا ہے اور اپنی گردن کو دوزخ سے بچانے کے لئے اللہ سے درخواست کرتا ہے۔ لوگو! متوجہ رہو تمہیں ایسا ہی ہونا چاہئے۔

عن ابی عبداللّٰه قال کان علی بن الحسین یقول ویل لمن غلبت احاده اعشاره فقلت له کیف هذا قال اماسمعت قول اللّٰه عزوجل یقول من جآء بالحسنة فله عشرا مثالها ومن جآء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها فالحسنة الواحدة اذا عملها کتبت له عشرا والسیئة الواحدة اذا عملها کتبت له واحدة فنعوذ باللّٰه ممن یرتکب فی یوم واحد عشر سیئات ولا یکون له حسنة واحدة فتغلب حسناته.

"وسائل جہاد نفس صفحہ ۵۳۱"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔
میں نے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟
تو انہوں نے فرمایا: "کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا کہ جو ایک نیکی کرے تو اسے دس گنا اجر ملے گا اور جو کوئی برائی کرے تو وہ ایک ہی شمار ہوگی تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور برائی اکیلی ہی شمار ہوتی ہے۔"
اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے کہ کسی شخص کی ایک دن میں دس برائیاں تو ہوں لیکن پورے دن میں ایک نیکی نہ ہو۔

باب پنجم

عزتِ نفس

محمد زید علوی کی بلند ہمتی

محمد بن زید بن اسماعیل، سید حسن داعی کبیر کے بھائی تھے اور بھائی کی وفات کے بعد ۱۷۲ھ میں ان کے جانشین ہوئے اور سولہ برس تک انہوں نے حکومت کی۔ پھر ۲۸۷ھ میں محمد بن اسماعیل سامانی کے سپہ سالار محمد بن ہارون سے ان کی جنگ ہوئی تھی اور اسی جنگ میں وہ قتل ہوئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمد بن زید علوی کی طبرستان پر حکومت تھی تو وہ سالانہ وظائف تقسیم کرتے وقت پہلے قریش کو ترجیح دیتے اور بعد ازاں انصار و فقہاء میں وظائف تقسیم کرتے تھے اور اس کے بعد عوام الناس میں ان کے وظائف تقسیم کرتے تھے۔

جب وہ قریش سے ابتداء کرتے تو عبد مناف کی اولاد کو قریش کے باقی بطون پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ بنی ہاشم سے ابتدا کرتے اور پھر درجہ بدرجہ قریش کے باقی سلسلوں کو وظائف کی رقم دیتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے وظیفہ کی تقسیم شروع کی تو ایک شخص نے کہا: "مجھے بھی میرا حصہ دو۔"

انہوں نے پوچھا: "تمہارا سلسلہ نسب کس سے جا کر ملتا ہے؟"

اس شخص نے کہا: "میں بنی عبد مناف میں سے ہوں۔"

انہوں نے پھر پوچھا: "بنی عبد مناف کی کس شاخ سے تمہارا تعلق ہے؟" تو اس نے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کی۔

اہل دربار نے کہا: "پھر یہ شخص یقیناً یزید بن معاویہ کی اولاد میں سے ہوگا۔"

جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے اقرار کیا کہ میں واقعی یزید کی نسل سے ہوں۔ دربار میں چند نوجوان اس کو قتل کرنے کے لئے اٹھے۔

محمد بن زید نے آواز دے کر کہا: "اسے قتل نہ کرو اس کے قتل سے امام حسین علیہ السلام کے خون کا قصاص پورا نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اسے اللہ نے نسلِ یزید میں پیدا کیا ہے اس میں اس کا کوئی قصور و ارادہ شامل نہیں تھا۔ میری نظر میں نسلِ یزید ہونا جرم نہیں ہے بلکہ یزیدی ہونا جرم ہے۔"

سید علوی نے اس شخص کو وظیفہ دیا اور دو آدمیوں کو بلا کر کہا کہ: "اسے امن سے اس کے وطن تک پہنچا دیں۔"

سید رضی کی بے نیازی

ابو اسحاق کاتب کہتا ہے کہ میں ایک دن وزیر ابو محمد مہلبی کے پاس بیٹھا تھا کہ دربان نے اطلاع دی کہ سید رضی ملنے کے لئے آئے ہیں۔ وزیر نے جیسے ہی ان کا نام سنا تو فوراً مسند سے اٹھا اور ان کے استقبال کے لئے دروازہ تک گیا۔ پھر ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے اندر آیا اور اپنی مسند پر سید رضی کو بٹھایا

اور خود ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ سید رضی نے اجازت لی وہ انہیں وداع کرنے پھر دروازہ تک واپس گیا۔

جب سید رضی چلے گئے تو میں نے وزیر سے پوچھا: "آپ نے ان کا اتنا احترام کیوں کیا؟"

وزیر نے کہا: "اس لئے میں ان کا احترام کرتا ہوں کہ سید رضی خوددار شخصیت کے مالک ہیں، ان کی خودداری کا عالم یہ ہے کہ ان کے گھر بچہ پیدا ہوا تو میں نے مبارکبادی کے طور پر ان کے پاس ایک ہزار دینار روانہ کئے تو انہوں نے قبول نہ کیا اور قاصد کے ہاتھ لکھ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ: "وزیر کو علم ہونا چاہئے کہ میں کسی سے کچھ قبول نہیں کرتا۔"

میں نے قاصد کے ہاتھ وہ رقم واپس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ: "یہ رقم آپ کے لئے نہیں میں نے یہ رقم دایہ کے لئے روانہ کی تھی۔"

سید رضی نے میری رقم واپس کردی اور لکھ بھیجا کہ: "وزیر کو علم ہونا چاہئے کہ ہمارے گھر میں باہر سے دایہ نہیں منگوائی جاتی۔ ہمارے گھر کی بوڑھی خواتین یہ فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔"

میں نے تیسری مرتبہ وہ رقم ان کے پاس روانہ کی اور کہلا بھیجا کہ: "آپ اس رقم کو اپنے مدرسہ کے طلباء میں تقسیم کردیں۔"

جب میرا قاصد وہ رقم لے کر ان کے پاس گیا تو سید رضی مدرسہ میں طالب علموں کو پڑھا رہے تھے۔ قاصد نے انہیں جاکر میرا یہ پیغام دیا کہ یہ رقم طالب علموں کے لئے ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ طالب علم موجود ہیں۔ تم تھال زمین پر رکھ دو جسے جتنی ضرورت ہوگی وہ حسب ضرورت رقم اٹھالے گا۔

قاصد نے تھال زمین پر رکھا۔ ایک طالب علم کے علاوہ کوئی رقم لینے کے لئے نہ اٹھا اور اس طالب علم نے ایک دینار اٹھایا اور اسے کھلا کر کے صرف ایک درہم لیا اور باقی درہم تھال میں رکھ دیئے۔

سید رضی نے اس طالب علم سے پوچھا کہ: "تمہیں ایک درہم کی کیوں ضرورت پڑگئی تھی؟"

اس نے کہا: "استادِ محترم! رات کے وقت ہم کو مطالعہ کرنا ہوتا ہے اور کل رات خادم موجود نہ تھا کہ میں اس سے تیل حاصل کرسکتا مجبور ہوکر میں نے دکاندار سے ایک درہم کا تیل قرض پر حاصل کیا۔ اسی لئے میں نے ایک درہم اس رقم میں سے لیا ہے۔"

سید رضی نے جیسے ہی یہ سنا تو انہوں نے گودام کی بہت سی چابیاں تیار کرائیں اور ہر طالب علم کے ہاتھ میں ایک ایک چابی تھمادی اور فرمایا: "جب بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو خادم کا انتظار کرنے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے، گودام کا دروازہ کھول کر اپنی ضروریات پوری کیا کرو۔"

وزیر نے یہ داستان سنا کر کہا کہ: "اب تم ہی بتاؤ اگر میں ایسے خوددار شخص کی عزت نہ کروں تو کس کی کروں۔" (روضات الجنات صفحہ ۵۷۷)

دیانتداری کی یہ داستان ملاحظہ فرمائیں

شداد نامی ایک بادشاہ گزرا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی شداد کا ایک بھائی بھی حکمراں تھا جس کا نام شدید تھا اور وہ بڑا انصاف پسند اور نیک طینت تھا۔ حکمراں چونکہ خود اچھا تھا اسی لئے رعایا میں سے کسی فرد کو جرأت نہ تھی کہ

وہ کسی پر ظلم و ستم کرے۔

اس نے ایک شخص کو مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی مقرر کیا۔ پورے سال میں قاضی کے پاس کوئی بھی مقدمہ نہ آیا۔ تو اس نے شدید سے کہا: "میں تنخواہ لینا ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ پورا سال گزر گیا میرے پاس کوئی مقدمہ نہیں لایا گیا اور نہ ہی میں نے کوئی فیصلہ کیا ہے۔"

شدید نے کہا: "کوئی بات نہیں تم تو اپنی مسند پر موجود رہے ہو۔ لہٰذا تنخواہ تمہارا حق ہے۔"

ایک سال بعد قاضی کے پاس پہلا مقدمہ آیا اور اس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک شخص نے کہا: "میں نے اس آدمی کے ہاتھ اپنی زمین فروخت کی تھی اور میں نے اس سے رقم وصول کرلی تھی۔ اب اسی کھیت میں سے دفینہ برآمد ہوا ہے تو یہ شخص کہتا ہے کہ دفینہ کا مالک میں نہیں تم ہو۔"

قاضی نے دوسرے فریق کا بیان سنا اس نے کہا: "جی ہاں! یہ بیان درست ہے میں نے اپنے دوست سے زمین خریدی تھی دفینہ نہیں خریدا تھا۔ لہٰذا اب اگر کچھ برآمد ہوا ہے تو وہ میری ملکیت نہیں بلکہ اس کی ملکیت ہے جبکہ فریق اول یہ کہتا تھا کہ جب میں زمین ہی بیچ چکا ہوں تو دفینہ کیسے میرا ہو سکتا ہے؟"

قاضی نے دونوں کے بیان سنے اور پوچھا کہ آیا خدا نے تمہیں اولاد بھی عطا کی ہے تو فریق اول نے کہا: "جی ہاں! اللہ نے مجھے ایک بیٹا عطا کیا ہے۔"

اور فریق ثانی نے کہا: "اللہ نے مجھے ایک بیٹی عطا کی ہے۔"

قاضی نے یہ سن کر کہا: "ان بچوں کی آپس میں شادی کردی جائے اور دفینہ ان بچوں کا ہوگا۔" (روضۃ الصفا احوال ہود)

دین ہمیں کیا سبق دیتا ہے؟

شیخ صدوق علل الشرائع میں علی بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی عمیر دولت مند شخص تھے اور وہ کپڑے کے تاجر تھے اتفاق سے ان کا کاروبار ختم ہو گیا اور وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے۔ ایک دکاندار نے ان سے دس ہزار درہم قرض لیا تھا۔

مذکورہ دکاندار کسی وجہ سے اپنے کاروبار کو جاری نہ رکھ سکا اور اسے مجبور ہو کر اپنا مکان فروخت کرنا پڑا۔ مکان کی قیمت کے طور پر اسے دس ہزار درہم ملے۔ اس نے وہ رقم اٹھائی اور ابن ابی عمیر کے پاس آئے اور کہا: "یہ آپ کی رقم ہے آپ مجھ سے وصول کرلیں۔"

ابن ابی عمیر نے کہا: "میں نے تو سنا ہے کہ آج کل تو گردشِ ایام کا شکار ہے۔ یہ مال کسی نے تجھے بطور تحفہ دیا یا میراث میں سے تجھے حصہ ملا؟"

اس نے کہا: "یہ رقم نہ تو تحفہ میں ملی ہے اور نہ ہی میراث کی مرہون منت ہے، میں چونکہ آپ کا مقروض تھا اور قرضہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس سرمایہ موجود نہ تھا اسی لئے میں نے اپنا مکان فروخت کیا ہے تاکہ تمہارا قرض ادا ہو سکے۔"

ابن ابی عمیر نے کہا: "میں نے ذریح محاربی سے سنا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: "**لایخرج الرجل عن مسقط رأسه بالدین**" قرض کی وجہ سے کسی کو گھر سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔"

اس وقت اگرچہ مجھے ایک ایک درہم کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن میں تم سے ایک درہم بھی اس رقم میں سے نہیں لوں گا۔ (تتمۃ المنتہیٰ صفحہ ۲۱۷)

نعمان بن بشیر کی بلند ہمتی

جب یزید لعین نے اہل بیت طاہرینؑ کو قید سے آزاد کیا تو نعمان بن بشیر کو بلایا اور تیس آدمی اس کے ہمراہ کئے اور اسے کہا کہ تم اس لٹے ہوئے قافلہ کے ساتھ مدینہ جاؤ، تم ایک معقول فاصلہ رکھ کر ان کے پیچھے جاؤ اور راستہ میں انہیں جس چیز کی ضرورت ہو بہم پہنچاؤ۔

نعمان بن بشیر نے یزید کی ہدایات سے بھی زیادہ اس خاندان کی ضروریات کا لحاظ رکھا اور ان کے ساتھ مدینہ آیا۔ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو جناب فاطمہ دختر امیر المؤمنین (ام کلثومؑ) نے اپنی بہن زینبؑ سے کہا کہ اس شخص نے ہم سے نیکی کی ہے اور ہمیں بھی اس شخص کی نیکی کا بدلہ دینا چاہئے۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: "بہن ہمارے پاس تو کچھ نہیں، کربلا کی غارت کے بعد دو دست بند اور دو بازو بند واپس ملے ہیں ہم وہی اسے دے دیتے ہیں۔

چنانچہ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے وہی زیور نعمان بن بشیر کے پاس روانہ کئے اور فرمایا: "ہمیں معذور سمجھنا اس کے علاوہ ہمارے پاس دینے کے لئے اور کچھ نہیں ہے۔"

نعمان نے زیور لینے سے انکار کر دیا اور کہا: "بی بی! اگر میں نے دنیا طلبی کے لئے ایسا کیا ہوتا تو بھی یہ انعام کم نہ تھا۔ لیکن میں نے پیغمبر خداؐ کی نسبت سے آپ کی خدمت کی ہے، لہذا میں کچھ بھی نہیں لوں گا۔" (مقتل خوارزمی جلد ۲ صفحہ ۷۵)

شاعر آلِ محمد کمیتؒ کی بلند ہمتی

کمیت اسدی آلِ محمد کے عالی قدر شاعر تھے۔ علامہ امینی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الغدیر" کی جلد دوم کے ص ۱۸۷ پر مروج الذہب مسعودی کے حوالہ سے ان کے متعلق لکھا ہے کمیتؒ مدینہ آئے اور شام کے وقت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے کمیتؒ نے ان کی خدمت میں اپنا مشہور قصیدہ "میمیہ" پڑھا جس میں اہلبیت طاہرینؑ کی مدح تھی اور جب وہ قصیدہ کے اس شعر پر پہنچے:

و قتیل بالطف غودر منهم
بین غونماء امة وطغام

اہلبیتؑ کے سردار کو کربلا میں امت کے شور و غوغا اور سرکشوں کے شور میں قتل کر دیا گیا۔

امام باقر علیہ السلام اس شعر کو سن کر روئے اور فرمایا: "کمیت! اگر ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم تمہیں ضرور دیتے لیکن تمہارے لئے ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان بن ثابت کے لئے کہا تھا کہ "لازلت مؤیدا بروح القدس ماذبیت عنا اهل البیت" تم جب تک اہلبیتؑ کا دفاع کرتے رہو گے تو روح القدس سے تمہاری تائید ہوتی رہے گی۔"

امام باقر علیہ السلام کی بارگاہ سے اٹھ کر کمیت عبداللہ بن حسن کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنا قصیدہ پڑھا تو جناب عبداللہ نے کہا: "میں نے چار ہزار درہم میں ایک باغ خریدا ہے اور یہ خریداری کی سند میرے پاس موجود ہے۔ تم قبالۂ ملکیت مجھ سے لے لو اور باغ سے استفادہ حاصل کرو۔"

کمیتؒ نے کہا: "میرے ماں باپ آپؑ پر نثار ہوں، اگر آپؑ کے علاوہ میں کسی اور کے حق میں شعر کہتا تو دنیا کے لئے کہتا لیکن میں نے یہ شعر دنیا طلبی کے لئے نہیں کہے میرا مقصود صرف رضائے خدا کا حصول ہے۔"

عبداللہ نے جب زیادہ اصرار کیا تو کمیت باغ لینے پر مجبور ہو گئے۔ پھر چند دنوں کے بعد کمیت عبداللہ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: "میں آپؑ کے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔"

عبداللہ نے کہا: "اپنی حاجت بیان کرو ہم تمہاری حاجت پوری کرینگے۔"

کمیت نے کہا: "پہلے وعدہ کریں کہ آپؑ میری درخواست ضرور قبول کریں گے۔"

حضرت عبداللہ نے کہا: "ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہاری درخواست قبول کریں گے۔"

کمیت نے کہا: "میری درخواست صرف یہی ہے کہ آپؑ باغ کا قبالۂ ملکیت مجھ سے لے لیں۔"

حضرت عبداللہ نے مجبور ہو کر قبالۂ ملکیت واپس لے لیا۔ پھر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے ایک چادر لی اس کے چاروں اطراف ان کے بیٹوں نے پکڑے ہوئے تھے وہ بنی ہاشم میں سے فرداً فرداً ایک ایک دروازہ پر گئے اور کہا: "گروہ بنی ہاشم! جب لوگوں نے تمہارے فضائل و مناقب چھپائے تو کمیت نے تمہارے فضائل و مناقب اشعار کے رنگ میں دنیا کے سامنے پھیلائے اور اپنے جسم کو بنی امیہ کی تلواروں کے سامنے پیش کیا۔ لہٰذا تم سے جتنا بھی ممکن ہو اسے انعام دو۔"

بنی ہاشم کے مردوں سے انعام لینے کے بعد عبداللہ بن معاویہ مستورات کے پاس گئے اور ان سے بھی کمیت کو انعام دینے کی درخواست کی۔ مستورات بنی ہاشم نے اپنے زیورات اس چادر میں ڈالے۔

الغرض عبداللہ بن معاویہ زیورات کے علاوہ ایک لاکھ درہم اکٹھا کر کے لائے اور کمیت کے سامنے چادر رکھ کر کہا: "یا اباالمستهل اتیناك بجهد المقل" کمیت ہماری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول کرو اور ہمیں معذور سمجھو کہ ہم کچھ زیادہ نذرانہ پیش نہ کر سکے کیونکہ ہمارے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

کمیتؒ نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے بہت زیادہ نذرانہ پیش کیا میں نے آپ کی مدح خدا اور رسول کی رضا کے حصول کے لئے کی ہے، مجھے کسی طرح کے دنیاوی معاوضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہ رقم واپس کر دیں۔"

عبداللہ نے بہت اصرار کیا لیکن کمیتؒ راضی نہ ہوئے۔ اور اجازت لے کر چلے گئے۔

ایک باعظمت و خوش عقیدہ خاتون

بشار مکاری کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کھجوریں کھا رہے تھے۔ آپؑ نے مجھے فرمایا: "بشار! قریب آجاؤ اور کھجوریں کھاؤ۔"

میں نے عرض کی: "مولا! میں آرہا تھا کہ راستہ میں ایک عجیب منظر دیکھا

جس کی وجہ سے میں رونے لگا اور میرا جی اس وقت بھی رونے کو چاہ رہا ہے۔ اسی لئے میں کھجوریں نہیں کھاؤں گا، آپؑ تناول فرمائیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "بشار میرے اس حق کا واسطہ جو تمہارے ذمہ ہے۔ میرے قریب آؤ اور کھجوریں کھاؤ۔"

چنانچہ میں نے امام علیہ السلام کے ساتھ کھجوریں کھانی شروع کیں۔

امام عالی مقامؑ نے مجھ سے پوچھا کہ: "تم نے کیا دیکھا ہے؟"

میں نے عرض کی: "مولا! میں نے حکومت کے چند سپاہیوں کو دیکھا جو ایک عورت کو تازیانوں سے پیٹ رہے تھے اور عورت لوگوں کو خدا و رسول کا واسطہ دے کر مدد کے لئے پکار رہی تھی مگر کسی نے اس کی مدد نہیں کی۔"

امام علیہ السلام نے پوچھا: "یہ بتاؤ کہ سپاہی اس عورت کو کیوں مار رہے تھے؟"

میں نے کہا: "مولا! میں نے سنا ہے کہ وہ عورت سڑک پر جا رہی تھی اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر جا گری اور اس کے منہ سے یہ الفاظ جاری ہوئے: "لعن الله ظالميك يا فاطمة الزهراء" فاطمہ زہراؑ! اللہ ان پر لعنت کرے جنہوں نے آپؑ پر ظلم کئے تھے۔

اسی لئے اس عورت کو سپاہیوں نے پکڑ کر تازیانے مارنے شروع کئے اور اسے گرفتار کر کے لے گئے۔"

یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام اتنا روئے کہ آپؑ کی ریش مبارک اور رومال آنسوؤں سے تر ہو گئے اور آپؑ کے آنسو بہتے ہوئے سینہ مبارک پر جاری ہو گئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "بشار آؤ مسجد سہلہ چل کر اس خاتون کی رہائی کے لئے دعا مانگیں۔"

اور آپؑ نے اس خاتون کی خبر معلوم کرنے کے لئے اپنے ایک صحابی کو دار الامارہ روانہ کیا۔ ہم مسجد سہلہ آئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر امام صادق علیہ السلام نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ بلند کئے پھر سجدہ کیا، پھر آپؑ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا: "آؤ چلیں وہ مؤمنہ خاتون آزاد ہو چکی ہے۔"

ہم مسجد سہلہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں امام عالی مقامؑ کا وہ صحابی ہمیں ملا جسے آپؑ نے اس خاتون کی خبر معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ امام علیہ السلام نے مؤمنہ خاتون کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ اسے کس طرح رہائی ملی؟

صحابی نے عرض کی: "مولا! میں وہاں موجود تھا جب اس خاتون کو دربار میں پیش کیا گیا تو اس بی بی سے حاکم نے پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟"

اس خاتون نے جواب دیا کہ میں راہ چلتے گر پڑی تھی اور میں نے یہ الفاظ کہے تھے: "لعن الله ظالميك يا فاطمة الزهراء" فاطمہ زہرا کے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے علاوہ میرا کوئی جرم نہیں ہے۔ تمہارے سپاہی مجھے تازیانے مارتے یہاں لے آئے ہیں۔"

حاکم نے کہا: "میں آپؑ سے معافی چاہتا ہوں، سپاہیوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔"

پھر حاکم نے دو سو درہم اس خاتون کو پیش کئے لیکن خاتون نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس خاتون کو آزاد کر دیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: "تو کیا اس نے دو سو درہم لینے سے انکار کردیا؟"

صحابی نے عرض کی: "جی ہاں! جبکہ وہ سخت غربت و افلاس کا شکار نظر آتی تھی۔"

آپؑ نے اپنی جیب سے سات دینار نکالے اور فرمایا: "اس خاتون کے پاس جاؤ اسے میری طرف سے سلام پہنچاؤ اور یہ سات دینار بھی میری طرف سے اسے پہنچاؤ۔"

بشار کہتا ہے کہ ہم اس خاتون کے گھر گئے اور اسے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سلام پہنچائے، خاتون نے ہم سے پوچھا کہ: "کیا واقعی امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے سلام بھیجا ہے؟"

ہم نے کہا: "جی ہاں! امامؑ نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔"

یہ خوش خبری سن کر مؤمنہ فرطِ مسرت سے بے ہوش ہوگئی۔ ہم اس کے ہوش میں آنے تک وہاں ٹھہرے رہے۔ جب مؤمنہ کو ہوش آیا تو ہم نے سات دینار اس کے حوالے کئے۔

مؤمنہ نے کہا: "سلوہ ان یستوھب امتہ من اللّٰہ" میری طرف سے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس کنیز کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے معاف کرادیں۔"

پھر ہم امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے مؤمنہ خاتون کی فرمائش امام کی خدمت میں پیش کی۔ امام علیہ السلام نے رو رو کر اس کے لئے دعا مانگی۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۵)

جس نے پیغمبر سے مالی مدد کی درخواست نہ کی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی مالی پریشانی کا شکار ہوا اور اخراجات کے لئے وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ رسالت مآبصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم اور سخی ہیں تم ان کی خدمت میں جاکر اپنی غربت کی داستان سناؤ۔ مجھے یقین ہے کہ آپؐ ہماری ضرور مدد کریں گے۔

بیوی کا مشورہ سن کر صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس وقت رسول خدا منبر پر تشریف فرما تھے اور آپؐ نے فرمایا: "سئلنا اعطیناہ ومن استغنیٰ اغناہ اللّٰہ" جو ہم سے سوال کرے گا ہم اسے عطا کریں گے اور جو اپنی شرافتِ نفس کی وجہ سے سوال کرنے سے گریز کرے گا تو اللہ اسے غنی بنادے گا۔"

صحابی نے آپؐ کے یہ الفاظ سنے تو آپؐ کے یہ الفاظ اسے اپنے سینہ میں اترتے ہوئے محسوس ہوئے اور اس نے اپنے ذہن میں کہا کہ حضور کریمؐ کے ان الفاظ کا روئے سخن میری طرف ہے۔

صحابی اپنے گھر آیا، بیوی نے پوچھا کہ تم نے حضور سے سوال کیا تھا؟

صحابی نے بتایا: "میرا ارادہ سوال کرنے کا تھا لیکن میرے سوال کرنے سے پہلے رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا کہ جو ہم سے مانگے گا تو ہم اسے عطا کریں گے اور جو سوال کرنے سے گریز کرے گا تو اللہ اسے غنی کردے گا اور مجھے یہ یقین ہے کہ حضورؐ نے یہ الفاظ میرے لئے ہی کہے تھے۔"

بیوی نے کہا: "نہیں ایسی کوئی بات نہیں حضور اکرمؐ بھی انسان ہیں۔

انہوں نے عمومی انداز میں یہ الفاظ کہے ہوں گے تم ان کے مخاطب نہ تھے۔ تمہیں حضور اکرمؐ کے پاس جاکر اپنی غربت کی داستان ضرور سنانی چاہئے۔"

دوسرے دن صحابی پھر دربارِ نبوت میں حاضر ہوا اور رسول کریمؐ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: "جو ہم سے سوال کرے گا تو ہم اسے عطا کریں گے اور جو سوال سے گریز کرے تو اللہ اسے غنی بنادے گا۔"

صحابی نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے تو اسے یقین ہوگیا کہ آپؐ اسی سے ہی مخاطب ہیں۔ صحابی کو آپؐ سے کچھ سوال کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور مسجد سے اٹھ کر اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور اس سے کلہاڑی مانگی۔ کلہاڑی لے کر جنگل میں چلا گیا اور سارا دن لکڑیاں کاٹتا رہا۔ شام کے وقت لکڑیاں بازار میں فروخت کیں تو اجرت کے طور پر اسے چند درہم ملے۔ اس نے گھر کے لئے آٹا خریدا اور اپنے گھر چلا گیا۔

پھر دوسرے دن علی الصبح اٹھ کر جنگل میں گیا اور پہلے سے زیادہ مقدار میں لکڑیاں کاٹیں اور بازار میں فروخت کیں۔ اسی طرح سے چند دن بعد اس نے اپنی کلہاڑی خرید لی اور آہستہ آہستہ اس کی دولت میں بھی اضافہ ہونے لگا اور چند ماہ بعد اس نے ایک غلام اور دو اونٹ خرید لئے اور یوں وہ زیادہ لکڑیاں بازار میں فروخت کرنے لگا۔ اس کی مالی حالت بہتر ہوگئی۔ پھر ایک دن اس نے حضور کریمؐ کے پاس جاکر اپنی پوری روئیداد بیان کی۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ نے فرمایا: "من سألنا اعطیناہ ومن استغنیٰ اغناہ اللّٰہ" ہم سے جو سوال کرے گا تو ہم اسے عطا کریں گے اور جو سوال سے گریز کرے گا تو اللہ اسے غنی کردے گا۔" (وافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

چند روایات

عن ابی عبداللہؑ قال کان امیر المؤمنینؑ یقول لیجتمع فی قلبك الافتقار الی الناس والاستغناء عنهم فیکون افتقارك الیهم فی لین کلامك و حسن بشرك ویکون استغناؤك عنهم فی نزاهة عرضك وبقاء عزك.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۲۳۲"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "امیر المؤمنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تیرے دل میں لوگوں کی ضرورت اور لوگوں سے بے نیازی کی دونوں صفات ہونی چاہئیں۔ ضرورت کا اظہار نرمی اور خوش روئی سے ہونا چاہئے (یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھیں کہ تمہیں ان کی ضرورت ہے) اور تیری بے نیازی کا اظہار اپنی آبرو کی حفاظت اور بقائے عزت کے ذریعہ سے ہونا چاہئے۔"

قال امیر المؤمنینؑ من رضی من الدنیا بما یجزیه کان الیسر مافیها یکفیه ومن لم یرض من الدنیا بما یجزیه لم یکن فیها شئی یکفیه.

"وافی جلد ۲ صفحہ ۳۳۵"

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص اپنی ضروریات زندگی پر قناعت کرے تو اس کے لئے تھوڑی سی دنیا بھی کافی ہوگی اور جو اپنی ضروریات پر قناعت نہیں کرتا تو دنیا کی کوئی چیز اس کی کفایت نہیں کرسکے گی۔"

شکٰی رجل الی ابی عبداللہؑ انه یطلب فیصیب ولا یقنع وتنازعه نفسه الی ماهواکثر منه وقال علمنی شیئا انتفع به فقال ابو عبداللہؑ ان کان مایکفیك یغنیك فادنی مافیها یغنیك وان کان مایکفیك لایغنیك فکل مافیها لایغنیك.

"وافی جلد ۲ صفحہ ۳۳۵"

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے حرص کی شکایت کرتے ہوئے کہا: "مولاؑ! میری حالت یہ ہے کہ میں تلاش معاش کرتا ہوں تو مجھے رزق مل جاتا ہے لیکن قناعت نصیب نہیں ہوتی اور نفس اس سے بھی زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے آپؑ میری رہنمائی فرمائیں تاکہ میرے اندر قناعت کا جذبہ پیدا ہو۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اگر بقدر ضرورت رزق سے تیری کفایت ہوسکتی ہے تو اس سے کم رزق سے بھی تیری کفایت ہوسکتی ہے۔ اگر بقدر ضرورت سے تمہاری کفایت نہیں ہوتی تو دنیا کا تمام رزق حاصل کر کے بھی تمہیں کفایت حاصل نہیں ہوسکتی۔"

عن حفص بن غیاث قال قال ابو عبداللہؑ اذا اراد احد کم الایسئل ربه شیئا الا اعطاه فلییأس من الناس کلهم ولایکون له رجاء الا عندالله فاذاعلم الله تعالیٰ ذالک من قلبه لم یسئل الله شیئا الا اعطاه.

"وافی جلد ۲ صفحہ ۳۳۵"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ سے جس چیز کا سوال کرے تو اللہ اسے عطا کرے تو اپنے آپ کو لوگوں سے ناامید کرلے اور اللہ کے علاوہ کسی سے اپنی امید وابستہ نہ رکھے اگر اللہ نے اس کی دل کی سچائی کو ملاحظہ کیا تو وہ اللہ سے جو کچھ بھی مانگے گا اللہ اسے عطا فرمائے گا۔"

عن ابی عبداللہؑ طلب الحوائج الی الناس استلاب للفر، مزهبة للحیاء والیأس مما فی ایدی الناس عز للمؤمن فی دینه والطمع هوالفقر الحاضر.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لوگوں سے اپنی حاجات کا سوال کرنا عزت نفس کے ختم ہونے کا ذریعہ اور حیا کے تباہ ہونے کا سبب ہے اور لوگوں کے رزق سے ناامید ہونا مؤمن کے لئے دینی عزت کا سبب ہے اور طمع و لالچ ہر وقت کا فقر ہے۔"

عن عبداللہ بن سنان قال سمعت ابا عبداللہؑ یقول ثلاث هن فخر المؤمن وزینته فی الاخرة، الصلوٰة فی اخراللیل ویأسه ممافی ایدی الناس و ولایته الامام من ال محمد علیهم السلام.

"وافی جلد ۲ صفحہ ۳۳۴"

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپؑ فرمایا کرتے تھے تین چیزیں مؤمن کے لئے دنیا و آخرت کا فخر اور زینت ہیں:

۱) رات کے آخر حصہ میں نماز شب پڑھنا۔

۲) لوگوں کے رزق سے ناامید رہنا۔

۳) خاندانِ پیغمبر میں سے امام کی امامت کا اعتراف کرنا اور اس سے محبت رکھنا۔

عن جابر الجعفی عن ابی جعفرؑ قال یأس المرء عمافی ایدی الناس اکثر من سخاء النفس والبذل ومروة الصبر فی حال الفاقة والحاجة والتعفف والغناء اکثر من مروة الاعطاء وخیر المال الثقة باللّٰه والیأس عمافی ایدی الناس.

"وافی نقل از کافی صفحہ ۳۳۶"

جابر جعفی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "لوگوں کے مال سے ناامید ہونا جان و مال کی سخاوت سے زیادہ بہتر ہے اور

تنگ دستی و غربت اور پاکدامنی اور بے نیازی کے وقت صبر، بخشش سے زیادہ بہتر ہے اور بہترین ثروت و دولت اللہ پر بھروسہ کرنا اور لوگوں کے مال سے ناامید ہونا ہے۔"

باب ششم

لمبی آرزوئیں

محدود عمر اور لامحدود آرزوئیں

ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر ایک مربع بنایا جس کی چاروں اطراف برابر تھیں اور مربع کے درمیان میں ایک نقطہ بنایا اور مربع کی چاروں سمتوں سے لکیریں بنائیں جو نقطہ کی طرف آرہی تھیں اور نقطہ سے ایک لکیر کھینچی جو کہ بہت دور تک چلی گئی تھی۔

آپؐ نے یہ تصویر بنا کر صحابہ سے فرمایا: "جانتے ہو یہ کیا ہے؟"

صحابہ نے عرض کی: "اللہ اور رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: "یہ مربع انسانی زندگی کو ظاہر کرتا ہے اور درمیانی نقطہ انسان ہے اور چاروں اطراف سے نقطہ کی طرف آنے والی لکیریں ان امراض و مصائب کو ظاہر کرتی ہیں جو انسان پر وارد ہوتی ہیں اور نقطہ سے نکل کر دور تک جانے والی لکیر انسان کی لامحدود آرزو کو ظاہر کرتی ہے، انسان کی آرزوئیں لامحدود اور اس کی زندگی محدود ہے اور کوئی شخص اپنی تمام آرزوئیں پوری کر کے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔" (کشکول بہائی صفحہ ۳۳)

محدود عمر کا ایک نمونہ

شیخ بہائی کشکول میں لکھتے ہیں کہ تبت میں یہ رواج تھا کہ ہر سو سال پورا ہونے پر وہاں ایک جشنِ عبرت منایا جاتا تھا جس میں چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب شرکت کرتے تھے۔

اس جشن میں بادشاہ کی طرف سے ایک شخص آواز دے کر کہتا تھا کہ حاضرین میں سے جس نے پچھلے جشنِ عبرت میں شرکت کی ہو وہ کھڑا ہو کر اپنے تاثرات بیان کرے۔

اس اعلان کے بعد کبھی کوئی بوڑھا کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ میں نے پچھلے جشن میں شرکت کی تھی، اس وقت میں کم سن بچہ تھا اور اس وقت بادشاہ فلاں تھا اور وزیر فلاں تھا اور قاضی فلاں تھا۔

بعض اوقات کوئی بوڑھی عورت کھڑی ہو جاتی اور وہ اپنے تاثرات بیان کرتی اور کئی دفعہ ایسا اتفاق بھی ہوتا کہ کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوتا۔

پھر واعظ کھڑا ہو کر لوگوں کو درسِ عبرت دیتا اور فانی دنیا سے دل لگانے کی پاداش بیان کرتا اور کہتا: "بھائیو! دیکھو اس صدی میں لاکھوں انسان پیدا ہوئے تھے اور آج سب کے سب پیوندِ خاک ہو چکے ہیں، ان کی قبروں کے نشان تک موجود نہیں ہیں۔ لوگو! یہ دنیا عبرت کا مقام ہے، یہ دنیا ایک گزرگاہ ہے، تمہارے لئے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، اپنی عمر رفتہ کی غلطیوں کا ازالہ کر لو اور غرباء و مساکین کی مدد کرو، تم سب کے پاس محدود عمر ہے اپنی دولت و جوانی پر غرور نہ کرو۔"

مچھلی کی آرزو قبر میں لے گئی

مامون نے ملک روم کو فتح کرنے کے لئے لشکر کشی کی۔ بہت سا علاقہ فتح کیا۔ واپسی پر اس کا گزر ایک چشمہ سے ہوا جسے "بدیدون اور قشیرہ" کہا جاتا ہے۔ اس مقام کی آب و ہوا اتنی اچھی تھی کہ مامون نے حکم دیا کہ اس مقام پر ایک ماہ قیام کیا جائے تاکہ وہ اس صحت افزا مقام سے دل کھول کر استفادہ کر سکے۔

چشمہ کے قریب مامون کا خیمہ لگایا گیا۔ وہ چشمہ کے قریب کرسی پر بیٹھ کر دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے چشمہ میں ایک درہم پھینکا تو پانی اتنا صاف تھا کہ اوپر سے اس کی تحریر پڑھی جاسکتی تھی اور چشمہ کا پانی اتنا ٹھنڈا تھا کہ انسان اس میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔

ایک دن مامون چشمہ کے قریب بیٹھ کر مناظرِ فطرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اس نے چشمہ میں ایک مچھلی دیکھی جو طول میں آدھے بازو کے قریب تھی اور اس کا جسم چاندی سے زیادہ سفید تھا۔

مامون نے اعلان کیا: "جو شخص یہ مچھلی پکڑ کر لائے گا تو میں اسے ایک تلوار انعام میں دوں گا۔"

یہ سن کر ایک فوجی نے چشمہ میں چھلانگ لگائی اور مچھلی کو پکڑ کر مامون کے پاس لے آیا۔ مچھلی نے فوجی کے ہاتھ میں آزاد ہونے کے لئے زور لگایا تو مچھلی فوجی کے ہاتھ سے نکل کر چشمہ میں جا پڑی۔ چشمہ میں گرنے سے پانی کی چند بوندیں مامون کے چہرے اور گردن اور ہاتھوں پر پڑیں۔ جس سے مامون کو سخت بخار ہو گیا۔ فوجی نے چشمہ میں دوبارہ چھلانگ لگا کر مچھلی پکڑی تو مامون نے حکم دیا کہ اسے تل کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

مامون کو تپِ لرزہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اس پر جتنی لحافیں ڈالی گئیں اس کے لرزہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ بالآخر اس کی چارپائی کے اردگرد لگائی جلائی گئی مگر مامون کا جسم پھر بھی گرم نہ ہوا۔ مچھلی کو تل کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو مامون اس قدر بے چین تھا کہ مچھلی کا ایک ذرہ بھی نہ کھا سکا۔

مامون کا بھائی معتصم باللہ، شاہی طبیب ابن ماسویہ اور بختی شوع کو لے کر مامون کے پاس آیا اور ان سے مامون کے علاج کی درخواست کی۔

جب اطباء نے اس کی نبض دیکھی تو کہا کہ ہم اس کے علاج سے عاجز ہیں۔ نبض کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔

مامون کی حالت رفتہ رفتہ مزید خراب ہوتی گئی اور روغن زیتون کی طرح اس کے جسم سے پسینہ خارج ہونے لگا۔

اس وقت مامون نے کہا: "مجھے بلند ٹیلہ پر لے جاؤ تاکہ میں مرنے سے پہلے اپنے لشکر کا نظارہ کرسکوں۔"

مامون کو بلند ٹیلہ پر لے جایا گیا اس نے نظر کی تو اسے حد نظر تک اپنی فوج کے خیمے نظر آئے، اس وقت مامون نے کہا: "یامن لایزول ملکه ارحم من قدزال ملکه" اے وہ ذات جس کی شاہی کو زوال نہیں اس پر رحم کر جس کی شاہی زائل ہوچکی ہے۔"

اس وقت معتصم نے ایک شخص کو بھیجا کہ مامون کے قریب بیٹھ کر اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کرے۔ وہ شخص مامون کے قریب بیٹھ کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ کی تلقین کرنے لگا۔ مگر مامون اس وقت ہر چیز سے بے خبر ہوچکا تھا۔

ابن ماسویہ طبیب نے تلقین کرنے والے سے کہا کہ: "اب اسے تیری

تلقین کی ضرورت نہیں ہے اس وقت یہ ایسی حالت میں ہے کہ اس کے لئے اس کے رب اور "مانی" میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

مامون نے اس وقت آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھیں پھیل کر اتنی بڑی اور سرخ ہوچکی تھیں کہ دیکھنے والا ان کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوگیا اور مچھلی نہ کھا سکا اور (طوس) نامی مقام پر دفن ہوا۔

(سفینۃ البحار جلد ا لفظ امن)

اسی فانی سلطنت کی حصول کے لئے مامون نے اپنے بھائی امین کو قتل کیا تھا اور اپنی سوتیلی ماں زبیدہ کو گرفتار کیا تھا اور اسی عارضی حکومت کے لئے اس نے امام علی رضا علیہ السلام کو زہر دیا تھا۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب مامون کے سامنے اس کے بھائی امین کا سر پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس سر کو ایک لکڑی پر نصب کیا جائے پھر تمام فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا انعام لینے کے لئے آئیں اور جب بھی کوئی فوجی آکر انعام لیتا تو مامون کہتا کہ انعام سے پہلے اس سر پر لعنت کرو۔

چنانچہ مامون کے فوجی امین پر لعنت کرتے اور انعام لیتے رہے۔ اتنے میں ایک ایرانی سپاہی انعام لینے کے لئے آیا تو مامون نے کہا کہ انعام سے پہلے اس سر پر لعنت کرو۔

ایرانی سپاہی نے کہا: "لعن الله هذا ولعن والدیه وادخلهم فی کذا و کذا من امها تهم" اللہ اس سر والے پر لعنت کرے اور اس کے ماں باپ پر لعنت کرے اور انہیں دوزخ میں جگہ دے۔"

اس وقت مامون نے حکم دیا کہ امین کے سر کو صلیب سے اتارا جائے اور

اسے خوشبو لگا کر بغداد بھیج دیا گیا اور حکم دیا کہ اس سر کو اس کے دھڑ کے ساتھ دفن کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خزانہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو لے کر کہیں جا رہے تھے کہ ایک شہر کے قریب کھنڈرات میں انہیں ایک خزانہ ملا۔

حواریوں نے درخواست کی کہ: "آپؑ ہمیں یہاں چند روز رہنے کی اجازت دیں تاکہ ہم اچھی طرح سے خزانہ کو جمع کر سکیں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "بہتر ہے تم یہ خزانہ سنبھالو اور میں شہر جاتا ہوں، وہاں میرا ایک قیمتی خزانہ موجود ہے، میں اس خزانے کے پیچھے جانا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر جناب عیسیٰ علیہ السلام شہر آئے اور ایک ویران سے مکان کے دروازہ پر تشریف لائے ایک بوڑھی آئی تو آپؑ نے فرمایا: "اے ضعیفہ! میں آج رات آپ کا مہمان بننا چاہتا ہوں کیا آپ مجھے مہمان ٹھہرائیں گی؟"

ضعیفہ نے کہا: "سر آنکھوں پر ہم آپؑ کو مہمان ٹھہرائیں گے۔"

آپؑ ضعیفہ کے گھر تشریف لے گئے اور ضعیفہ سے پوچھا: "اس کھنڈر نما مکان میں تم اکیلی رہتی ہو یا تمہارے ساتھ یہاں کوئی اور بھی رہتا ہے؟"

ضعیفہ نے بتایا: "میرا ایک جوان بیٹا بھی میرے ہمراہ ہوتا ہے۔ دن کے وقت وہ لکڑیاں کاٹنے کے لئے جنگل چلا جاتا ہے اور شام کے وقت لکڑیاں بیچ کر اپنے گھر آجاتا ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ نوجوان گھر میں آیا تو اس کی ماں نے اسے بتایا کہ ہمارے پاس ایک مہمان آئے ہوئے ہیں، جو شکل و صورت سے خدا کے مقرب نظر آتے ہیں۔ تم ان کی تشریف آوری کو اپنے لئے غنیمت جانو اور ان سے فائدہ حاصل کرو۔

نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر بیٹھا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے گفتگو کی تو وہ جوان انہیں شائستہ نظر آیا، لیکن جناب عیسیٰؑ نے اس کی گفتگو کے انداز سے محسوس کیا کہ اس کے دل میں کوئی چبھن اور پھانس موجود ہے۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوجوان سے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے دل میں ایک خلش سی موجود ہے مجھے اپنی اس خلش سے آگاہ کرو ممکن ہے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

نوجوان نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا: "میری خلش اور چبھن کا علاج تو موت سے ہی ممکن ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "تم اپنی خلش بیان تو کرو، ہو سکتا ہے کہ ہمارے ذریعہ سے تمہاری خلش پوری ہو جائے۔"

یہ سن کر جوان نے کہا: "اے معزز مہمان! میں ایک دن جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار آرہا تھا کہ میرا گزر بادشاہ کے محل سے ہوا، اتفاق سے میری نظر اس کی بیٹی پر پڑ گئی اور جب سے ان نگاہوں نے اس پری پیکر کو دیکھا ہے تو دل کا آرام و سکون غارت ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری شادی اس ماہ روپ سے ہو جائے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "کوئی مسئلہ نہیں تم کل صبح بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کرو۔ جواب میں وہ جو کچھ بھی کہے مجھے اس سے مطلع کرو۔"

نوجوان دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں گیا اور دربانوں سے درخواست کی کہ اسے بادشاہ سے ملنے کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ اس کی بیٹی کی خواستگاری کرنا چاہتا ہے۔

دربانوں نے اس کے پھٹے ہوئے لباس کو دیکھا تو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگئے اور کہنے لگے: "اچھا ہے اسے بادشاہ کی پاس بھیج دیا جائے تاکہ مذاق کا سامان پیدا ہو سکے۔"

نوجوان بادشاہ سے ملا اور اس سے اس کی بیٹی کا اپنے لئے رشتہ طلب کیا۔

بادشاہ نے اسے ٹالنے کے لئے جواہرات کی ایک بڑی مقدار کا مطالبہ کیا جسے کوئی سلطان ہی پورا کر سکتا تھا۔

وہ نوجوان بادشاہ کا مطالبہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: "بادشاہ نے جواہرات کی بھاری مقدار طلب کی ہے جو کہ میرے بس میں نہیں ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "تم میرے ساتھ آؤ۔"

اسے ایک صحرا میں لے گئے جہاں بڑی مقدار میں سنگریزے پڑے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "تم ان سنگریزوں سے اپنی چادر بھرو۔"

جب جوان نے سنگریزوں سے چادر بھری تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ چادر میں سنگریزوں کے بجائے جواہرات چمک رہے تھے۔

چنانچہ نوجوان چادر بھر کر بادشاہ کے پاس لے گیا اور کہا: "لیجئے میں آپ کے مطالبہ سے بھی زیادہ مقدار میں جواہرات لایا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے خالی نہ لوٹائیں گے۔"

بادشاہ نے جواہرات کی اتنی بڑی مقدار دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا، پھر اس نے کہا: "اتنی ہی مقدار میں مجھے اور جواہرات کی ضرورت ہے، اگر تم اتنے جواہرات اور لانے میں کامیاب ہوگئے تو میں تمہاری شادی اپنی بیٹی سے کردوں گا۔"

نوجوان پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔

آپؑ نے فرمایا: "مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دوبارہ صحرا میں چلے جاؤ اور پھر اتنی ہی مقدار میں سنگریزے اکٹھے کر کے لے جاؤ۔ اللہ کے فضل سے وہ سنگریزے جواہرات کی صورت اختیار کرلیں گے۔"

نوجوان نے حسب الحکم سنگریزوں کو جمع کیا اور انہیں چادر میں ڈالا تو سنگریزے جواہرات میں بدل گئے۔ نوجوان خوش ہو کر دوسری گٹھری بھی بادشاہ کے پاس لے گیا۔

بادشاہ نے نوجوان سے پوچھا: "تم شکل و صورت سے انتہائی غریب نظر آتے ہو تمہارے پاس اتنا بڑا خزانہ کیسے آگیا؟"

نوجوان نے بادشاہ کو بتایا: "اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، یہ تمام مہربانی میرے ایک مہمان کی ہے۔"

بادشاہ سمجھ گیا کہ اسکے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ٹھہرے ہوئے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ''آپ اپنے مہمان کو لے کر آجائیں، میں ان کی موجودگی میں اپنی بیٹی کا عقد تم سے کردوں گا۔''

نوجوان واپس آیا اور مہمان سے اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نوجوان کے ساتھ دربار تشریف لے گئے۔

بادشاہ نے ان کا شایانِ شان استقبال کیا اور وعدہ کے مطابق اپنی بیٹی کی شادی لکڑہارے سے کردی۔ پھر اس نے اپنے داماد کو شاہی لباس پہنایا اور رہائش کے لئے اپنے محل میں انہیں جگہ دی۔

بادشاہ نے جب اپنے داماد سے گفتگو کی تو اسے اپنا داماد بڑا شائستہ اور معقول انسان نظر آیا۔ بادشاہ کی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اللہ نے اسے بس ایک ہی بیٹی عطا کی تھی۔

بادشاہ نے اپنے داماد کی ولی عہدی کا اعلان کردیا۔ اتفاق سے ولی عہدی کے اعلان کے دوسرے ہی دن بادشاہ کی وفات ہوگئی اور اس کا داماد کرسی اقتدار پر متمکن ہوا۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نئے بادشاہ کو مبارکباد دینے کے لئے اس کے پاس گئے تو بادشاہ پاپیادہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا۔ انہیں تخت شاہی پر بٹھایا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جانے کے لئے رخصت طلب کی تو نوجوان بادشاہ نے کہا: ''حضرتؑ! کل رات سے میں ایک مسئلہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں امید ہے کہ آپؑ میرے سوال کا جواب دیں گے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم اپنا سوال بیان کرو۔''

بادشاہ نے کہا: ''میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ آپؑ اتنے بڑے صاحب

اعجاز ہیں کہ سنگریزوں کو جواہرات میں بدل دیتے ہیں اور چاہیں تو ایک لکڑہارے کو بادشاہ کا داماد بنا سکتے ہیں، اس کے باوجود آپؑ درویشی کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں؟''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے عشق الٰہی کا وہ جام پیا ہوا ہے کہ جس کے سامنے اس چند روزہ شاہی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔''

نوجوان بادشاہ یہ سن کر آپؑ کے قدموں میں گر گیا اور عرض کی: ''حضرتؑ! پھر آپؑ نے مجھے اس جام معرفت سے کیوں محروم رکھا ہے اور مجھے اس کی بجائے شاہی کے گورکھ دھندوں میں لگادیا ہے۔ مجھے شاہی نہیں چاہئے مجھے رب العالمین کے در کی گدائی چاہئے۔''

پھر نوجوان نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور تین دن پہلے والا لباس پہنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چل پڑا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس جوان کو لے کر وہاں آئے جہاں حواری موجود تھے، آپؑ نے حواریوں سے فرمایا: ''تم نے اپنا خزانہ جمع کرلیا ہے۔''

حواریوں نے کہا: ''جی ہاں! ہم نے تمام خانہ اکٹھا کرلیا ہے، لیکن آپؑ یہ بتائیں کہ آپؑ جس خزانہ کی تلاش کے لئے شہر روانہ ہوئے تھے تو آپؑ کو آپؑ کا مطلوبہ خزانہ ملا یا نہیں؟''

آپؑ نے نوجوان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''میں اس خزانہ کی تلاش میں گیا تھا اور میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔'' (بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۲۸۴)

ایک انگوٹھی اور جنت کا محل

ایک مرتبہ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے والد بزرگوار سے ایک انگوٹھی کی خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا: "میں تمہیں انگوٹھی سے بہتر عطیہ نہ بتاؤں؟"

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے عرض کی: "بابا جان! یہ تو اور مناسب ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "جب تم نمازِ شب پڑھو تو اللہ سے درخواست کرنا وہ تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز فراہم کرے گا۔"

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے نماز شب پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ایک انگوٹھی کی درخواست کی تو اس وقت انہیں ایک ہاتفِ غیبی کی صدا سنائی دی کہ فاطمہؑ کی مطلوبہ چیز مصلی کے نیچے موجود ہے۔

جب حضرت سیدہؑ نے مصلی اٹھا کر دیکھا تو مصلی کے نیچے انہیں ایک بیش بہا یاقوت نظر آیا۔ آپؑ نے یاقوت اٹھا لیا اور جب آپؑ دوسری شب سوئیں تو خواب میں انہوں نے جنت الفردوس کی سیر کی ایک مقام پر تشریف لائیں دیکھا کہ ایک تخت رکھا ہے جس کے تین پائے ہیں۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے پوچھا: "یہ تخت کس کا ہے؟"

حوروں نے بتایا: "یہ تخت آخری رسول کی بیٹی کا ہے۔"

جناب سیدہؑ نے پوچھا: "اس کے پائے تین کیوں ہیں چار کیوں نہیں؟"

حوروں نے بتایا: "اس کی مالکہ نے دنیا میں رہ کر ایک یاقوت منگوایا ہے اسی لئے اس کے چار کی بجائے تین پائے ہیں۔"

یہ خواب دیکھ کر حضرت سیدہؑ خواب سے بیدار ہوئیں اور پورا خواب اپنے کریم والد کو سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: "**معاشر آل عبدالمطلب لیس لکم الدنیا انما لکم الاخرۃ و میعادکم الجنۃ ماتصنعون بالدنیا فانها زائلۃ**" اے آل عبدالمطلب کے گروہ! دنیا تمہارے مقدر میں نہیں ہے، اللہ نے تمہارے لئے آخرت رکھی ہے۔ تم دنیا لے کر کیا کرو گے؟ وہ تو بہت جلد زائل ہونے والی ہے۔"

پھر آپؐ نے فرمایا: "پیاری بیٹی! اس یاقوت کو وہاں رکھ دو جہاں سے تمہیں یہ ملا تھا۔"

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے یاقوت اٹھا کر مصلے کے نیچے رکھ دیا۔

اگلی رات پھر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو وہی خواب نظر آیا اور تخت پر نظر پڑی تو اس کے چاروں پائے موجود تھے۔

جناب سیدہؑ نے حوروں سے پوچھا: "ایک دن قبل اس تخت کے پائے تین تھے اور آج چار کیسے ہو گئے؟"

حوروں نے عرض کی: "اس کی مالکہ نے وہ یاقوت واپس کر دیا تو اس کے پائے مکمل ہو گئے۔"

دنیاوی گھر کا حدود اربعہ

روایت ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے قاضی شریح ابن حارث نے آپؑ کے دورِ حکومت میں ایک مکان اسی دینار میں خریدا۔ حضرتؑ کو اس کی خبر ہوئی تو انہیں بلوا بھیجا اور فرمایا: "مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے اسی دینار میں ایک مکان خریدا

ہے اور دستاویز بھی تحریر کی ہے اور اس پر گواہوں کی گواہی بھی دلوائی ہے؟"

شریح نے کہا: "جی ہاں! امیر المؤمنینؑ ایسا ہی ہوا ہے۔"

راوی کہتا ہے اس پر حضرت امیر المؤمنینؑ نے انہیں غصہ کی نظر سے دیکھا اور فرمایا: "دیکھو! جب جلد ہی وہ ملک الموت تمہارے پاس آجائے گا جو نہ تمہاری دستاویز دیکھے گا اور نہ تم سے گواہوں کا پوچھے گا اور وہ تمہارا بوریا بستر بند ہوا کر یہاں سے نکال باہر کرے گا اور قبر میں اکیلا چھوڑ دے گا۔

اے شریح دیکھو! ایسا تو نہیں کہ تم نے اس گھر کو دوسرے کے مال سے خریدا ہو، یا حرام کی کمائی سے قیمت ادا کی ہو؟ اگر ایسا ہوا تو سمجھ لو کہ تم نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔

دیکھو! اگر اس کی خریداری کے وقت تم میرے پاس آئے ہوتے تو میں اس وقت تمہارے لئے ایسی دستاویز لکھ دیتا کہ تم ایک درہم بلکہ اس سے بھی کم قیمت کے گھر کو خریدنے پر تیار نہ ہوتے۔

وہ دستاویز یہ ہیں: یہ وہ ہے جو ایک ذلیل بندے نے ایک ایسے بندے سے جو کہ سفر آخرت کے لئے پابہ رکاب ہے خریدا ہے، ایک ایسا گھر جو دنیائے پُر فریب میں مرنے والوں کے محل اور ہلاک ہونے والوں کے خطہ میں واقع ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں: پہلی حد آفتوں کے اسباب سے متصل ہے، دوسری حد مصیبتوں کے اسباب سے ملی ہوئی ہے اور تیسری حد ہلاک کرنے والی نفسانی خواہشوں تک پہنچتی ہے اور چوتھی حد گمراہ کرنے والے شیطان سے تعلق رکھتی ہے اور اسی حد میں اس کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس فریب خوردہ، امید و آرزو نے اس شخص سے کہ جسے موت دھکیل رہی ہے اس گھر کو خریدا ہے۔ اس قیمت

پر کہ اس نے قناعت کی عزت سے ہاتھ اٹھالیا اور طلب و خواہش کی ذلت میں جا پڑا۔ اب اگر اس سودے میں خریدار کو کوئی نقصان پہنچے تو بادشاہوں کے جسم کو تہ و بالا کرنے والے، گردن کشوں کی جان لینے والے اور قیصر و کسریٰ اور تبّع و حمیر جیسے فرماں رواؤں کی سلطنتیں الٹ دینے والے اور مال سمیٹ سمیٹ کر اسے بڑھانے، اونچے اونچے محل بنانے سنوارنے اور انہیں فرش و فروش سے سجانے اور اولاد کے خیال سے ذخیرے فراہم کرنے اور جاگیریں بنانے والوں سے سب کچھ چھین لینے والے کے ذمہ ہے کہ وہ ان سب کو لے جاکر حساب و کتاب کے موقف اور عذاب و ثواب کے محل میں کھڑا کرے، اس وقت جب حق و باطل کا دو ٹوک فیصلہ ہوگا اور باطل والے وہاں خسارے میں رہیں گے۔

اس عقل پر گواہ رہنا! جب وہ خواہشوں کے بندھن سے الگ اور دنیا کی وابستگیوں سے آزاد ہو جائے۔" (نہج البلاغہ صفحہ ۶۳۹ ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ)

ایک روزہ حکومت کی آرزو

ایک شخص کو حکومت کے حصول کا بڑا شوق تھا اور ہمیشہ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر کہا کرتا تھا کہ: "کاش! مجھے ایک دن کی حکومت مل جائے تو میں بھی ان لذائذ سے مستفید ہو سکوں جن سے بادشاہ مستفید ہوتے ہیں۔"

وہ شخص جہاں بھی بیٹھتا اپنے اس شوق کا بصد حسرت اظہار کرتا، لوگ اس کی یہ حسرت سن کر ہنستے تھے، اس کی یہ حسرت امرائے دربار تک بھی پہنچ گئی اور انہوں نے ایک دن بادشاہ کو اس شخص کی اس خواہش سے آگاہ کیا۔

بادشاہ نے اس جوان کو بلایا اور کہا: "میں نے سنا ہے تجھے ایک روزہ

حکومت کا بڑا شوق ہے؟"

جوان نے کہا: "جی ہاں! یہ سچ ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "اے نادان شخص! ایک دن کی بادشاہی سے تجھے کیا حاصل ہوگا؟"

جوان نے کہا: "بس میرے دل کی یہ شدید ترین خواہش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی زندگی میں کم از کم ایک دن کے لئے ان نعمات و لذات سے متمتع ہوسکوں جن سے سلطان متمتع ہوتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "تو بس ٹھیک ہے کل صبح یہاں آجانا ہم تجھے ایک دن کی شاہی دیں گے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سن لے کہ سارا دن تجھے تخت پر ہی بیٹھنا ہوگا۔"

جوان کو فرطِ مسرت سے رات کو نیند نہ آئی۔ صبح ہوئی تو جوان بادشاہ کے دربار میں گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے ایک دن کے لئے خلعت شاہی پہنائی جائے اور اس کے سر پر تاج رکھا جائے۔ پھر جوان کو حکم دیا کہ وہ تخت شاہی پر بیٹھ جائے۔

جوان خوش ہو کر تخت پر بیٹھا اور بادشاہ سے پوچھا کہ: "اب آپ بتائیں تخت پر بیٹھ کر آپ کس چیز سے لطف اٹھاتے تھے؟"

بادشاہ نے کہا: "میں موسیقی سے لطف اندوز ہوتا تھا۔"

ایک روزہ بادشاہ نے حکم دیا: "ہمیں بھی موسیقی سے لطف اندوز کیا جائے۔" تھوڑی سی دیر میں موسیقار اور قوال آگئے۔

اتنے میں ایک وزیر نے ایک روزہ بادشاہ کو متوجہ کیا کہ وہ اپنے سر کے

اوپر نگاہ کرے۔

جوان نے جب اوپر نگاہ کی تو اس کی اوسان خطا ہوگئے اس نے دیکھا کہ اس کے سر پر زہر میں بجھا ہوا تیز خنجر، ایک میٹر بلندی پر لٹک رہا ہے اور جب اس نے غور سے دیکھا تو اسے نظر آیا کہ وہ خنجر بالکل بال جیسی باریک اور کمزور رسی سے بندھا ہوا تھا جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتی تھی اور خنجر کسی بھی وقت اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔

سر پر لٹکتا ہوا خنجر دیکھ کر اس کے تمام جذبات سرد ہوگئے اور جیسے ہی سازندوں نے طبلہ بجانا شروع کیا تو اس نے انہیں سمجھایا کہ وہ آہستگی سے طبلہ بجائیں ایسا نہ ہو کہ طبلے کے شور سے وہ کمزور سی رسی ٹوٹ جائے اور اس کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے۔

بیچارہ خنجر کی وجہ سے سخت پریشان رہا اور جب اس کے سامنے شاہی کھانا رکھا گیا تو دو لقموں سے زیادہ نہ کھا سکا اور جیسے ہی کوئی شخص دربار میں داخل ہوتا اور دروازہ کھلتا تو اس کے دل میں یہ کھٹکا ہوتا کہ کہیں کمزور رسی ٹوٹ نہ پڑے۔

الغرض سارا دن وہ سخت بے چینی کا شکار رہا اور اس کے لئے ایک ایک منٹ کا گزارنا مشکل ہوگیا۔ اسے ایک لمحہ بھی صدیوں کی طرح بھاری نظر آیا۔ وہ دل میں دعا مانگتا رہا کہ خدا کرے کہ اس کی زندگی کا یہ منحوس ترین دن جلد ختم ہو تو اسے اس تخت سے رہائی نصیب ہو۔

آخرکار دن غروب ہوا۔ ایک روزہ بادشاہ تخت سے نیچے آیا تو اس کی جان میں جان آئی اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔

پھر اس ایک روزہ سلطان نے اصلی سلطان سے کہا: "آپ نے خنجر لٹکا کر

جس طرح سے مجھے بے چین کیا ہمارے معاہدہ میں یہ خنجر شامل نہ تھا۔"

بادشاہ نے کہا: "جوان! یہ سچ ہے کہ جب میں تخت پر بیٹھتا ہوں تو میرے سر پر یہ خنجر موجود نہیں ہوتا لیکن تم یقین کرو کہ اس تخت پر بیٹھ کر میرا دل بھی تمہاری طرح پریشان رہتا ہے کیونکہ سلطنت کے ہزاروں اندرونی مسائل ہیں اور بیرونی دشمنوں اور آستین کے سانپوں سے مجھے ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ میں نے اس خطرے کے اظہار کے لئے خنجر آویزاں کرایا تھا تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو سکے کہ سلطنت و حکومت فرشِ گل نہیں ہے بلکہ زرین مقتل ہے۔ سارا دن مجھے اس تخت پر چین میسر نہیں آتا۔ یہ میری حالت ہے اور میں ایک دنیا طلب شخص ہوں اور اگر میں یہ حکومت و سلطنت کسی خدا ترس شخص کے ہاتھ میں دوں تو اسے اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے رات کو بھی آرام میسر نہیں آئے گا۔"(انوار نعمانیہ صفحہ ۲۲۰)

زندگی کی بہاریں آرزو سے قائم ہیں

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص بیلچہ اٹھائے اپنی زمین سے جڑی بوٹیاں صاف کر رہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ وہ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکال دے۔ دعا کے فوراً بعد بوڑھے نے بیلچہ زمین پر رکھا اور آرام کرنے لگ گیا۔

کچھ دیر کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی کہ وہ اس کے دل میں دنیا کی محبت پیدا کردے۔ آپؑ نے جیسے ہی یہ دعا مانگی تو بوڑھا

اپنے مقام سے اٹھا اور بیلچہ اٹھا کر دوبارہ محنت میں لگ گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بوڑھے کے پاس گئے اور پوچھا: "تم نے بیلچہ ایک دفعہ زمین پر کیوں رکھا اور پھر تم نے دوبارہ کیوں اٹھایا؟"

بوڑھے نے کہا: "میں کام کر رہا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں ایک سن رسیدہ شخص ہوں، کہاں تک محنت کی زحمت برداشت کرتا رہوں گا ممکن ہے کہ میں ابھی مر جاؤں تو یہ محنت میرے کس کام آئے گی؟ یہ سوچ کر میں نے بیلچہ زمین پر رکھ دیا تھا۔ اس کے چند لمحے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ تو اس وقت زندہ ہے اور ہر زندہ شخص کے لئے وسائل زندگی کی ضرورت ہوتی ہے اگر تو کام نہیں کرے گا تو پھر وسائل زندگی سے محروم ہو جائے گا اور روٹی کہاں سے کھائے گا؟ چنانچہ میں یہ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بیلچہ ہاتھ میں لے کر دوبارہ محنت کرنے لگا۔"(سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۳۱)

ایک آرزو اور سو کوڑے

ایک دن حجاج بن یوسف بازار سے گزر رہا تھا اس نے ایک دودھ فروش کو دیکھا کہ اس نے اپنے سامنے دودھ کی بالٹی رکھی ہوئی تھی اور اپنے آپ سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا:

"اس بالٹی کا اتنا منافع ہوگا، پھر میں اور دودھ لے کر فروخت کروں گا، اس سے مجھے مزید منافع ہوگا، آخر کار میں ایک بھیڑ خرید لوں گا، پھر اس کا دودھ بیچ کر ایک بکری، پھر ایک گائے خریدلوں گا اور یوں میرا کاروبار ایک دن عروج تک پہنچ جائے گا اور میرا شمار کوفہ کے دولت مندوں میں ہونے لگے گا، اس کے

بعد میں حجاج بن یوسف کی بیٹی سے شادی کروں گا اور اعیان مملکت مجھ سے خوف زدہ ہوں گے، اگر کسی دن حجاج کی بیٹی نے میری اطاعت میں کمی کی تو میں اسے ایسی لات ماروں گا کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے لات ماری اور لات دودھ کی بالٹی کو لگی تو سارا دودھ زمین پر بہہ گیا۔

حجاج نے جو یہ منظر دیکھا تو دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس احمق کو پکڑ کر سر بازار ایک سو کوڑے لگائیں۔

دکاندار بے چارہ جس کا پہلے ہی دودھ زمین پر بہہ چکا تھا اس تازہ افتاد سے بڑا ہی پریشان ہوا اور کہا: "مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟"

حجاج نے کہا: "تمہیں یہ سزا حجاج کی بیٹی کی پسلیاں توڑنے پر مل رہی ہے۔"

قال امیر المؤمنین علیه السلام وانما هلك من كان قبلكم بطول امالهم و تغيب اجالهم حتى نزل بهم الموعود الذى ترد المفدرة وترفع عنده التوبة و تحل معه القارعة والنقمة وقال ايضامن ايقن انه يفارق الاحباب و يسكن التراب ويواجه الحساب ويستغنى عما خلف ويفتقر الى ماقدّم كان حريا بقصر الامل وطول العمل.

"نہج البلاغہ - کلمات قصار"

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: "تم سے پہلی امتیں اپنی لمبی آرزوؤں اور اپنی

موت کے وقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، یہاں تک کہ ان کو موت آگئی جو معذرت کو مسترد کردیتی ہے اور اس کے آنے سے توبہ کی قبولیت کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور جس کے ساتھ جزاوسزا شروع ہوجاتی ہے۔"

آپ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: "جسے یہ یقین ہو کہ وہ دوستوں سے جدا ہوگا اور خاک میں رہائش پذیر ہوگا اور اسے حساب دینا ہوگا اور اسے اس کی چھوڑی ہوئی دولت فائدہ نہ دے گی اور اسے آگے بھیجی ہوئی دولت کام آئے گی۔ تو ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ آرزوؤں کو گھٹائے اور اعمال کو بڑھائے۔" (سفینۃ البحار)

عن ابی عبدالله ؑ عن ابائه قال قال علی ؑ ماانزل الموت حق منزلته من عد غدا من اجله وقال علی ؑ ما اطال العبد الامل الااسآء العمل و كان يقول عليه السلام لوأى العبد اجله و سرعته اليه لا بغض الامل وطلب الدنيا.

"بحار الانوار جلد ۱۵، جلد ۲ صفحہ ۱۰۷"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "جس نے آنے والے کل کو اپنی زندگی کا حصہ قرار دیا تو اس نے موت کو اچھی طرح سے نہیں پہچانا۔"

آپؑ نے فرمایا: "جس شخص نے بھی لمبی آرزوئیں کیں تو اس نے عمل برے کئے۔"

آپؑ فرمایا کرتے تھے: "اگر انسان اپنی موت کو دیکھ لے اور اس کی تیز رفتاری کا مشاہدہ کرلے تو اپنی آرزو اور طلبِ دنیا کو ناپسند کرے گا۔"

عن الصادق علیه السلام ان الله يقول و عزتي و جلالي و مجدى و ارتفاعي

علی عرشی لا قطعن امل کل مؤمل دونی ولا کونه ثوب المذلة عند الناس ولا نحینه من قربی ولا بعدنه من وصلی أیأمل غیری فی الشدائد و الشدائد بیدی ویر جو غیری ویقرع بالفکر باب غیری و بیدی مفاتیح الابواب.

"سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۳۱"

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مجھے اپنی عزت و جلال بزرگی اور عرش پر بلندی کی قسم ہے جو بھی میرے علاوہ کسی اور سے امید وابستہ کرے گا تو میں اس کی امید کو قطع کردوں گا اور لوگوں کی نظر میں اسے ذلت کا لباس پہناؤں گا اسے اپنے قرب سے ہٹاؤں گا اور اسے اپنے وصل سے دور کردوں گا، مشکلات و مصائب کے وقت وہ میرے غیر سے امید رکھتا ہے جب کہ مشکلات و مصائب میرے ہاتھ میں ہیں (اور وہ کتنا احمق ہے) جو میرے غیر کے دروازہ پر دستک دینے کی سوچتا ہے جب کہ تمام دروازوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔"

باب ہفتم

ظلم و ستم

حجاج بن یوسف کا شمار دنیا کے بدترین ظالم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اس نے اپنے دور اقتدار میں ہزارہا انسانوں کو قتل کیا اور لاکھوں انسانوں کو ناجائز قید کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا ہے: "وکذلك نولی بعض الظالمین بعضا" ہمارا طریقہ ہے کہ ہم بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں۔"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "اعمالکم عمّا لکم"، تمہارے عمل ہی تمہارے حاکم ہیں۔"

مقصد یہ ہے کہ اگر رعایا نیک دل ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں حکمران بھی اچھے عطا کرتا ہے اور جب رعایا کی اکثریت خراب ہو جائے تو اس وقت خداوند عالم کی طرف سے انتقام کا کوڑا بلند ہوتا ہے اور ظالم حکمران ان پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جس معاشرہ کی اکثریت میں فساد پیدا ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں ظالم حکمران مسلط ہو جائے تو پھر اس معاشرہ کے شرفاء کے لئے بھی مصائب و آلام بڑھ جاتے ہیں جیسا کہ دور حجاج کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس کے دورِ ستم میں

صرف گناہگار ہی اس کا نشانہ نہیں بنے بلکہ سعید بن جبیر جیسے سینکڑوں بے گناہ افراد بھی اس کے ظلم کا نشانہ بنے تھے اور اس ملعون کے ہاتھوں انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ : "سارا جہاں اپنے خبیث لے کر آئے اور ہم صرف حجاج بن یوسف کو ان کے مقابلہ میں پیش کریں تو یقیناً ہمارے خبیث کا پلہ بھاری رہے گا۔"

حضرت علی علیہ السلام نے اہل عراق کو اس ظالم کے اقتدار کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا : "تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے عنقریب اللہ تعالیٰ قبیلہ ثقیف کے ایک جوان کو تم پر مسلط کرے گا جو کسی پر رحم نہیں کھائے گا اور کسی کی معذرت قبول نہیں کرے گا۔"

ایک دن شعبی حجاج کے پاس گئے اور اسے ظلم و ستم سے باز رہنے کی نصیحت کی تو حجاج نے سونے کا ایک دینار اٹھایا اور اس کا وزن کیا اور کسوٹی پر پرکھا تو وہ دینار ہر لحاظ سے کامل تھا۔ پھر اس نے وہی دینار شعبی کو دے کر کہا کہ : "اسے صرافوں کے پاس لے جاؤ اور اس کا وزن کراؤ۔"

شعبی وہ دینار لے کر صرافوں کے پاس گئے اور اس کا وزن کرنے کی درخواست کی تو ہر صراف نے اپنی بچت کے لئے اس کا وزن کم بتایا اور قیمت کم لگائی۔

آخر میں شعبی وہی دینار لے کر حجاج کے پاس آیا تو حجاج نے کہا : "شعبی! تم مجھے ظلم و ستم سے باز رکھنا چاہتے ہو اور اس شہر کے لوگوں کی دیانت داری تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔ یہاں ہر دکاندار کسی نہ کسی بہانہ سے

گاہک کو لوٹنا چاہتا ہے اور قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جب معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جائے تو وہ مجھ جیسے ظالم کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔"

شامتِ اعمال ماصورت نادر گرفت

مسندِ ظلم

ایک دن بہلول ہارون کے دربار میں گئے اس وقت ہارون تخت پر موجود نہیں تھا۔ تخت خالی دیکھ کر بہلول بیٹھ گئے۔ پاسبانوں نے جب بہلول کو ہارون کے تخت پر بیٹھا دیکھا تو بہلول کو تازیانہ مار کر تخت سے اتار دیا۔ بہلول تخت سے اتر کر دربار کے کونے میں جاکر رونے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ہارون الرشید دربار میں آیا تو بہلول کو روتے ہوئے دیکھا، پاسبانوں سے پوچھا : "بہلول کیوں رو رہے ہیں ؟"

پاسبانوں نے بتایا : "یہ آپ کے تخت پر بیٹھ گیا تھا اسی لئے ہم نے اسے تازیانے مار کر اتار دیا، اب یہ اسی لئے رو رہا ہے۔"

ہارون الرشید نے بہلول سے کہا کہ : "بہلول تم آج یہ غلطی نہ کرتے تو تازیانے نہ کھاتے، اب کیوں رو رہے ہو ؟"

بہلول نے کہا : "بادشاہ میں اپنے لئے تھوڑا ہی رو رہا ہوں بلکہ میں تو تمہارے لئے رو رہا ہوں۔"

ہارون نے پوچھا : "وہ کیسے ؟"

بہلول نے کہا : "میں چند لمحے اس تخت پر بیٹھا تو مجھے اتنے تازیانے لگے اور تو کئی سال سے اس تخت پر بیٹھا ہے خدا جانے تجھے کتنے تازیانے لگیں گے ؟"

مکافاتِ عمل سے غافل نہ رہو

ابو عمرو کا تعلق کوفہ کے مشاہیر سے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن کوفہ کے دار الامارہ میں عبدالملک بن مروان کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے سامنے مصعب بن زبیر کا سر لایا گیا۔ عبدالملک اپنے دشمن کا سر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

یہ منظر دیکھ کر میری نظروں میں انقلاب زمانہ کی تصویر پھر گئی اور میرے پورے وجود پر کپکپی چھا گئی اور میرا چہرہ زرد ہو گیا۔

عبدالملک بن مروان نے کہا: "ابو عمرو! تو اتنا پریشان کیوں ہو گیا؟"

میں نے کہا: "میں انقلاب زمانہ کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔"

اس نے کہا: "تو نے کیا دیکھا ہے؟"

میں نے کہا: "میں ایک دن عبیداللہ بن زیاد کے پاس اسی دار لامارہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا۔ پھر کچھ وقت گزرنے بعد میں اسی قصر میں بیٹھا تھا کہ تخت پر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ابن زیاد کا سر تھا۔

اس کے بعد گردش افلاک نے مجھے یہ منظر بھی دکھایا کہ تخت پر مصعب ابن زبیر تھا اور اس کے سامنے مختار ثقفی کا سر تھا اور آج تخت پر آپ ہیں اور آپ کے سامنے مصعب بن زبیر کا سر ہے۔ مجھے تو آپ کا خطرہ ہے کہ کہیں آپ کا انجام بھی اپنے پچھلے والوں سا نہ ہو؟"

عبدالملک یہ سن کر سخت گھبرا گیا اور حکم دیا کہ: "اس محل اور دار لامارہ کو گرادیا جائے تاکہ یہاں پانچواں سر پیش نہ ہو۔"

مکافات عمل کی ایک اور داستان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقام سے گزر رہے تھے کہ پہاڑ کے کنارے انہیں چشمہ نظر آیا۔ آپؑ نے اس چشمہ کے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

اسی دوران ایک گھڑ سوار شخص آیا اس نے چشمہ سے پانی پیا لیکن جاتے وقت اپنی رقم کی تھیلی اٹھانا بھول گیا۔ اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چرواہا لڑکا چشمہ پر آیا تو اس نے رقم سے بھری ہوئی تھیلی دیکھی تو اس نے وہ تھیلی اٹھائی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

لڑکے کے جانے کے بعد ایک ضعیف شخص اس چشمہ پر آیا۔ ضعیف آدمی کے چہرہ سے غربت کے آثار نمایاں تھے اور اس نے لکڑیوں کا ایک گٹھڑا اٹھایا ہوا تھا۔ اس نے آکر پانی پیا اور ستانے کی غرض سے چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا۔

راستے میں گھڑ سوار کو اپنی رقم کی تھیلی یاد آئی تو اس نے گھوڑا واپس موڑا اور چشمہ پر پہنچ گیا اور اس نے چشمہ کے کنارے لکڑہارے کو بیٹھا ہوا دیکھا تو اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔

بوڑھے نے کہا کہ مجھے رقم کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔

مگر گھڑ سوار نہ مانا۔ پھر ان دونوں کے درمیان تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا۔ گھڑ سوار نے بوڑھے کو اتنا مارا پیٹا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ بے نیاز میں عرض کی: "پروردگار یہ تو بڑا ظلم ہوا ہے تھیلی اٹھانے والا کوئی اور تھا اور قتل ہونے والا کوئی اور ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ جو کچھ تم نے دیکھا ہے یہ میرے عدل

کے عین مطابق ہے کیونکہ کسی زمانہ میں اس بوڑھے نے گھڑ سوار کے باپ کو قتل کیا تھا، لہذا بوڑھا قصاص میں مقتول کے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا اور چرواہے کے باپ کو گھڑ سوار کے باپ سے اتنی ہی رقم قرض لینا تھی مگر اس نے قرض واپس نہیں کیا تھا، لہذا آج قرض خواہ کے بیٹے نے مقروض کے بیٹے سے اپنا قرض وصول کرلیا ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۴۳۳)

منصور دوانیقی کے مظالم کی ایک جھلک

منصور دوانیقی بنی عباس کا دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی نے اولاد علیؑ اور اولاد عباسؑ میں تفرقہ ڈالا تھا۔ ورنہ عام طور پر اس سے پہلے علوی اور عباسی ایک دوسرے کے دوست ہوتے تھے۔

منصور ۱۴۰ھ میں حج کے لئے مکہ آیا۔ عبداللہ بن حسن کو گرفتار کیا اور دوسرے حسنی سادات کی گرفتاری کا بھی حکم جاری کیا۔ جس کی وجہ سے ابراہیم اور ابوبکر اور جعفر بن حسن گرفتار ہوئے منصور نے حکم دیا کہ انہیں زندان میں سخت اذیت دی جائے۔ یہ سادات منصور کی قید میں رہے اور ہر طرح کا ظلم وستم برداشت کرتے رہے۔

منصور ۱۴۴ھ میں حج کے لئے آیا لیکن وہ مدینہ نہ آیا۔ ربذہ میں اس نے اپنے خیمے لگائے اور اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ بچے کچھے حسنی سادات کو مدینہ سے گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

منصور کے فوجیوں نے چن چن کر حسنی سادات کو گرفتار کیا اور انہیں کوڑے مارتے ہوئے مدینہ سے باہر لے گئے۔ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ امام جعفر

صادقؑ بے ساختہ رو دیئے اور انصارِ مدینہ کو بد دعا دی کیونکہ انہوں نے رسول خداؐ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی اور ان کی اولاد کی حفاظت کریں گے۔ اسی مشاہدۂ ظلم کی وجہ سے امام جعفر صادقؑ بیس دن تک بیمار رہے۔

جب قیدی ربذہ پہنچے تو ظالم نے حکم دیا کہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا جائے۔ اتنے میں ایک فوجی نے آکر کہا: "تم میں محمد بن عبداللہ کون ہے؟"

سید محمد دیباج نے کہا: "میں ہوں۔"

فوجی اسے پکڑ کر منصور کے پاس لایا۔ اس کے پہنچتے ہی تازیانوں کی صدا بلند ہوئی اور انہیں اتنے تازیانے لگائے گئے کہ ان کی آنکھ کا ایک ڈھیلا باہر نکل آیا۔ محمد دیباج بنی حسن میں سب سے زیادہ حسین شمار ہوتے تھے لیکن تازیانوں کی وجہ سے ان کا بدن کوئلہ کی طرح سیاہ ہوگیا اور خون کی وجہ سے ان کا پیراہن ان کی پشت سے چپک گیا تھا اور کسی طرح سے اترنے میں نہ آتا تھا تو روغنِ زیتون کی مالش سے اسے اتارا گیا۔

منصور نے حکم دیا کہ حسنی سادات کو سروپا برہنہ کر کے طوق و زنجیر میں قید کر کے بے پالان اونٹوں پر سوار کیا جائے۔ چنانچہ اس کے حکم کے تحت سادات کو بے پالان و کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ منصور حریر و دیبا سے آراستہ محمل پر سوار ہو کر ان قیدیوں کے پاس سے گزرا تو عبداللہ بن حسن نے زور سے پکار کر کہا: "منصور ہم نے جنگِ بدر میں تمہارے قیدیوں سے یہ سلوک نہیں کیا تھا۔" (تتمۃ المنتہی صفحہ ۱۳۳)

(عبداللہ بن حسن کا اشارہ عباس بن عبدالمطلب کی گرفتاری کی طرف تھا۔ جس کا ذکر ہماری کتاب کی پہلی جلد کے باب صلۂ رحم میں گزر چکا ہے)

حجاج ملعون کا انجام

راغب اصفہانی اپنی کتاب محاضرات میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حجاج اپنے گھر سے جامع مسجد کی طرف گیا تو اس نے ایک بہت بڑی جماعت کے رونے پیٹنے کی صدا سنی، پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ قیدیوں کی صدا ہے جو دھوپ کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔

اس ملعون نے کہا: "اخسأو فیھا ولا تکلمون" دور ہو جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔"

وضاحت: حجاج نے جو الفاظ کہے تھے یہ دراصل سورۂ مومنون کی ایک آیت ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب دوزخی جہنم سے نکلنے کی خواہش کریں گے تو رب العزت کا فرمان ہو گا کہ دور ہو جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

لفظ "اخسأ" عربی لغت میں کتے کو دھتکارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

حجاج کی موت کے بعد جب قیدیوں کو شمار کیا گیا تو ان میں ایک لاکھ بیس ہزار مرد اور بیس ہزار عورتیں تھیں اور ان میں چار ہزار ایسی عورتیں تھیں جن کے تن پر لباس نہیں تھا اور یہ قیدی ایک ہی چار دیواری میں مقیّد تھے۔ قید خانہ کی چھت نہیں تھی جب کوئی قیدی گرمی سے بچنے کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنے چہرہ کا سایہ بناتا تو زندان کے سپاہی اسے پتھر مارتے تھے۔ انہیں جو کی روٹی میں ریت ملا کر کھانا دیا جاتا تھا اور پینے کے لئے انہیں کڑوا پانی دیا جاتا تھا۔

حجاج لعین بے گناہ افراد اور بالخصوص سادات کے خون بہانے کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا تھا۔

ایک مرتبہ اس ملعون نے روزہ رکھنا چاہا تو نوکروں کو حکم دیا کہ اس کیلئے

من پسند سحری اور افطاری کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اشارہ فہم نوکروں نے اس کیلئے ایسی روٹیاں تیار کیں جنہیں سادات کے خون سے گوندھا گیا تھا اور اس لعین نے انہی روٹیوں سے سحری و افطاری کی۔ اس ملعون کو اس بات کا ہمیشہ قلق رہتا تھا کہ وہ واقعہ کربلا میں موجود نہ تھا ورنہ وہ شمر سے بھی بڑھ کر ظلم کرتا۔

حجاج نے کوفہ و بصرہ کے درمیان شہر واسط کی بنیاد رکھی تھی جہاں وہ نو ماہ سے زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکا اور ترپّن (۵۳) برس کی عمر میں جہنم پہنچ گیا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ حجاج کو "مرضِ آکلہ" لاحق ہو گیا۔ اس کے جسم کے اندر بچھو نما کیڑے پیدا ہو گئے۔ ایک طبیب کو بلایا گیا تو اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا ریشم کی رسی کے ساتھ باندھا اور حجاج سے کہا کہ وہ گوشت کے ٹکڑے کو نگل لے۔ حجاج نے گوشت کا ٹکڑا نگلا کچھ دیر بعد ریشم کی ڈور سے اس ٹکڑے کو کھینچا گیا تو اس ٹکڑے پر بہت سے کیڑے چمٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حجاج کے جسم پر سردی کو مسلط کر دیا اس کے اطراف میں دن رات کوئلوں کی انگیٹھیاں جلائی جاتی تھیں لیکن وہ پھر بھی سردی سے چلاتا رہتا تھا۔ اس نے حسن بصری سے اپنے درد و الم کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: "میں نے تجھے بے گناہ افراد اور بالخصوص سادات کے قتل سے بارہا منع کیا تھا لیکن تو باز نہ آتا تھا آج تو اسی کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔"

حجاج نے کہا: "میں خدا سے یہ دعا نہیں کرتا کہ وہ مجھے دوزخ سے آزاد فرمائے، میری اس سے بس اتنی سی دعا ہے کہ جلدی سے میری روح قبض کر لے تاکہ میں دنیا کے درد و الم سے چھٹکارا حاصل کر سکوں۔" (روضات الجنات صفحہ ۱۳۳)

قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں کہ موت کے وقت حجاج رونے لگا، وزیر نے رونے کا سبب پوچھا تو کہا: "میں نے لوگوں پر ظلم کیا ہے اور بالخصوص اولاد پیغمبرؐ پر میں نے ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔"

خوشامدی وزیر کہنے لگا: "امیر آپ کیوں گھبراتے ہیں؟ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے دلیل و برہان کے تحت کیا ہے اور اسے کسی طرح سے بھی ظلم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

حجاج نے کہا: "اگر قیامت کے دن مجھے حکومت دے دی جائے اور تو اس دن میرا وزیر ہو تو اس دن بھی یہی دلیل و برہان ہمیں کام دے گی۔ سنو میں خوب جانتا ہوں کہ میری موت کا وقت آچکا ہے اور دوزخ میرا انتظار کر رہی ہے۔ خدا نے چاہا تو دوزخ میں بھی تیری اور میری جوڑی قائم رہے گی۔"

ایک بڑھیا کا دندان شکن جواب

سخت سردی کے موسم میں عمرو بن لیث بادشاہ اپنے لشکر بسمیت نیشاپور میں وارد ہوا۔ فوج کے پاس رہائش کے لئے مکان نہ تھے۔ سخت سردی تھی اور برف باری شروع ہوچکی تھی تو عمرو بن لیث نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے رہائشی مکانات میں گھس جائے۔ بادشاہ کا حکم سن کر فوجیوں نے لوگوں کے گھروں پر قبضہ کرلیا اور بزورِ شمشیر ان کے گھروں میں رہائش اختیار کرلی۔

ایک بوڑھی عورت کے پانچ مکان تھے۔ فوجیوں نے اس کے تمام مکانات پر قبضہ کرلیا۔ بڑھیا ایک فوجی سردار کے پاس گئی اور اس سے فوجیوں کے ناجائز قبضہ کی شکایت کی۔

فوجی سردار نے اسے مشورہ دیا کہ کل میں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوں گا تم کل کسی وقت بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر اپنا مسئلہ اس کے سامنے پیش کرنا۔

دوسرے دن بڑھیا عمرو بن لیث کے دربار میں پہنچ گئی اور اس سے کہا:

"بادشاہ! تیری فوج نے مجھ پر ظلم کیا ہے، میرے پاس پانچ مکانات تھے اور میری پانچ بیٹیاں ہیں جو سب کی سب بیاہی ہوئی ہیں، ان مکانات میں میری بیٹیاں رہائش پذیر تھیں، مگر تیری فوج نے میرے مکانات پر قبضہ کرلیا ہے اور میری تمام بیٹیوں کو ان کے شوہروں سمیت ایک چھوٹے سے مکان میں دھکیل دیا ہے، میں آپ سے عدل و انصاف کی توقع لے کر آئی ہوں آپ اپنے فوجیوں کو حکم دیں کہ وہ میرے مکانات خالی کردیں۔"

عمرو بن لیث نے کہا: "بڑھیا سخت سردی ہے میری فوج کہاں جائے؟ تم یہاں سے دفع ہوجاؤ، لوگ سچ کہتے ہیں کہ عورتیں بے عقل ہوتی ہیں۔"

بڑھیا بے چاری واپس ہونے لگی تو کسی نے عمرو بن لیث سے کہا: "بڑھیا بڑی عقل مند اور پرہیزگار ہے، اس پر آپ رحم کریں۔"

عمرو بن لیث نے آواز دے کر بڑھیا کو بلایا اور کہا: "کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟"

بڑھیا نے کہا: "جی ہاں۔"

عمرو بن لیث نے کہا: "پھر تو تو نے قرآن مجید میں یہ آیت بھی یقیناً پڑھی ہوگی: "ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة وكذلك يفعلون" بادشاہ جب کسی قریہ میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کردیتے ہیں اور وہاں کے باعزت اور شریف لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کیا

کرتے ہیں۔"

بڑھیا نے کہا: "بادشاہ میں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ہے لیکن مجھے یہ تعجب ہے کہ تو نے اسی سورۂ نمل کی اس آیت کو کیوں نہیں پڑھا: "فتلك بیوتهم خاوية بما ظلموا ان فی ذلك لأية لقوم يعلمون" ان کے گھر ویران پڑے ہیں کیونکہ انہوں نے ظلم کیا تھا۔ بے شک اس میں علم رکھنے والوں کے لئے نشانی ہے۔"

یہ آیت سن کر عمرو بن لیث کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور کہا: "بڑھیا تو اپنے مکانات واپس لے لے۔ آج کے بعد میری فوج لوگوں کے گھروں میں نہیں رہے گی۔"

پھر اس نے اعلان کرایا کہ تین گھنٹے کی بعد اگر کوئی فوجی کسی کے گھر میں نظر آیا تو اسے قتل کردیا جائے گا اور شادیاخ نامی ایک جگہ پر اس نے اپنی فوج کے خیمے لگوائے۔ اور آج وہاں ایک باغ ہے۔ (تاریخ بحیرہ صفحہ ۱۹)

مظلومیتِ سادات

حضرت زید شہید فرزند امام زین العابدین کے پوتے احمد بن عیسیٰ بن زید کہتے ہیں کہ جب ہارون الرشید نے ہماری تلاش شروع کی تو ہم تین افراد یعنی میں اور قاسم بن ابراہیم بن عبداللہ بن امام حسن اور عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن امام حسن نے آپس میں بیٹھ کر طے کیا کہ ہم اپنے آپ کو متفرق شہروں میں چھپالیں اور فرضی ناموں سے زندگی بسر کریں۔

چنانچہ میں "رے" چلا گیا اور عبداللہ شام اور قاسم یمن چلے گئے۔ ہارون

الرشید کی موت کے بعد ہم تینوں ایام حج میں مکہ میں ایک دوسرے سے ملے اور ہر ایک نے اپنا اپنا دردِ دل سنایا۔

قاسم نے بیان کیا: "جب میں یمن کی طرف روانہ ہوا تو میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی جو کہ حاملہ تھی، ایک بے آب و گیاہ میدان سے ہم گزر رہے تھے کہ میری بیوی کو دردِ زہ شروع ہوا، صحرا میں کوئی باپردہ جگہ موجود نہ تھی، چنانچہ میں نے ایک گڑھا کھودا جہاں میری بیوی نے ایک بچہ کو جنم دیا۔

پھر میری بیوی پر پیاس کا غلبہ ہوا تو میں پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گیا لیکن مجھے کہیں سے بھی پانی دستیاب نہ ہوا، میں خالی ہاتھ لوٹا تو میری بیوی کی نظر ختم ہوچکی تھی اور وہ نابینا ہوگئی تھی، میں دوبارہ پانی کی تلاش کے لئے گیا لیکن اس مرتبہ بھی مجھے کہیں سے پانی نہ مل سکا، جب میں واپس آیا تو میری بیوی مرچکی تھی اور اس کے پہلو میں معصوم بچہ رورہا تھا۔ میں نے بیوی کو دفن کیا اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی پروردگار! بے ماں کا بچہ کیسے زندہ رہے گا جب کہ میں خود سر چھپانے کی جگہ تلاش کررہا ہوں؟

تھوڑی دیر بعد معصوم بچہ نے میرے ہاتھوں پہ دم دے دیا، میں نے معصوم بچہ کو اس کی ماں کے پہلو میں دفن کردیا۔"

عبداللہ بن موسیٰ نے بتایا: "میں کسانوں اور مزدوروں کا لباس پہن کر شام کے ایک دیہات میں گیا، وہاں سپاہیوں نے مجھے دیکھا تو پہلے تو انہوں نے میری شکل و صورت دیکھ کر میرا مذاق اڑایا، پھر انہوں نے میری پشت پر بھاری سامان رکھا، میں سامان کو لے کر چلتا رہا اور جب تھک جاتا تو سامان کو زمین پر رکھ دیتا، سپاہی مجھے تازیانے مارتے اور کہتے اللہ اس گروہ پر لعنت کرے جس کی

طرف تو منسوب ہے۔"

احمد بن عیسیٰ نے اپنے مصائب بیان کرتے ہوئے کہا: "مجھ پر اس دوران سب سے بڑی مصیبت یہ وارد ہوئی کہ میں نے "رے" کے مضافات میں ورزنین نامی مقام پر فرضی نام ابو حفص جصاص کے نام سے رہائش اختیار کی، میرا بیٹا محمد بھی میرے ساتھ تھا۔

ایک نالائق اور بد جنس خاندان کی ایک عورت سے میری شادی ہوئی اور میرے بیٹے محمد کی شادی عبد قیس کے غلاموں کی ایک لڑکی سے ہوئی، میرا بیٹا بھی میری طرح سے فرضی نام سے زندگی بسر کرتا رہا۔

اللہ نے مجھے اس عورت سے ایک بیٹی عطا کی، جب میری بیٹی سنِ رُشد پر پہنچی تو اسی گروہ میں سے ایک معزز شخص نے مجھ سے خواستگاری کی اور میری بیوی کے بھائیوں نے بھی اس رشتہ کے لئے اصرار کیا، اس مسئلہ کے لئے میں اتنا مجبور ہوا کہ ایک رات میں نے بیٹی کی موت کی دعا مانگی، صبح ہوئی تو میری بیٹی کی وفات ہوگئی، آج تک میرے دل میں اس بات کا قلق ہے کہ میں اپنی نورِ چشم کو اپنی ذات سے بھی آگاہ نہ کر سکا۔

میری بیٹی وفات پاگئی تو میں اپنے بیٹے کو بتانے کے لئے گیا کہ اللہ نے میری دعا سن لی اور ان منحوس لوگوں کی رشتہ داری سے خدا نے ہمیں بچالیا۔

میرے بیٹے نے مجھے بتایا کہ اللہ نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام میں نے علی رکھا ہے، اس وقت میرا بیٹا ورزنین میں ہے اور مجھے اس کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہے۔" (مقتل خوارزمی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

مظلومین کی داد رسی نہ کرنے کا انجام

خوارزم شاہ کی چنگیز خان سے جنگ ہوئی، منگولوں کو فتح ہوئی اور خوارزم شاہ کو شکست فاش اٹھانا پڑی۔ منگول لشکر کے خوف سے اس نے فرار کا منصوبہ بنایا۔ پہلے پہل تو اس نے ہندوستان جانے کا مقصد کیا لیکن بوجوہ ہندوستان جانے کی بجائے نیشاپور چلا گیا اور نیشاپور پہنچ کر اس کی عیاشیاں دوبارہ شروع ہوگئیں اور مظلوم عوام پر ظلم و ستم کرنا شروع کیا اور مخلوقِ خدا پر اس نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ تین سال تک وہ نیشاپور میں رہا۔

ایک دن مظلومین اپنا ایک وفد بنا کر اس کے وزیر کے پاس گئے اور اپنے تلف شدہ حقوق کا مطالبہ کیا اور کہا: "خوارزم شاہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کرو اور ہماری لوٹی ہوئی دولت اس سے واپس دلاؤ۔"

وزیر نے کہا: "بادشاہ نے میرے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ میں حسین و جمیل عورتیں تلاش کر کے اس کے حرم سرا بھیجوں اور طبلہ نوازوں کو اس کی خدمت میں پیش کروں لہذا میں تمہارے حقوق پر بات کرنے سے معذور ہوں۔"

اسی دوران خوارزم شاہ کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ چنگیز کا لشکر اس کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہے اور مقدمۃ الجیش کے تیس ہزار وحشی سپاہی دریائے جیحون پار کر چکے ہیں اور ان کی پیچھے چنگیز بہت بڑا لشکر لے کر آرہا ہے۔

یہ خبر سن کر اس کی تو گویا جان ہی نکل گئی اس نے نیشاپور کو خیرباد کہا اور عراق کی طرف رخ کیا۔

تاریخ جہاں گشا کے مصنف خواجہ عطاء الملک جوینی لکھتے ہیں کہ جب خوارزم شاہ نے نیشاپور سے فرار کیا تو میرے والد بھی اس وقت اس کے ہمراہ

تھے۔ سلطان اپنا لشکر لے کر ایک ٹیلے پر چڑھا اور میرے والد کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ قریب گئے تو اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور جگر سوز آہ بھری اور کہا: "جوینی! تم نے دیکھا کہ فلکِ بدکردار نے ہم سے کیا سلوک روا رکھا اور بدبختی نے ہمیں کس طرح سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔" پھر آہیں بھر بھر کر رونے لگا اور زمانہ کی کج رفتاری کے متعلق شعر پڑھتا رہا۔

سلطان "رے" گیا پھر وہاں سے طبرستان اور گرگان گیا اور جب قلعہ اقلال پہنچا تو اس نے اپنے خاندان کو قلعہ اقلال میں ٹھہرایا اور وہاں بہت سا خزانہ بھی دفن کیا۔ قلعہ اقلال ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ وہاں اپنے خاندان کو ٹھہرا کر خود جزیرہ "آبسکون" میں چھپ گیا۔

منگول لشکر مسلسل اس کا تعاقب کرتا رہا۔ جب انہیں علم ہوا کہ سلطان کا خزانہ اور اس کا خاندان قلعہ اقلال میں روپوش ہے تو انہوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔

مذکورہ قلعہ ہر لحاظ سے مستحکم اور ناقابل تسخیر تھا مگر سلطان کے خاندان کی بدبختی سے قلعہ کے چشموں کا پانی ختم ہوگیا تو قلعہ والوں نے منگول لشکر سے صلح کرلی اور ان کے لئے اپنے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔

منگول لشکر نے سلطان کے خاندان کو قید کرلیا اور اس کے مدفون خزانہ پر قبضہ کرلیا۔ جب خوارزم شاہ کو قلعہ اقلال کے سقوط کی خبر ملی تو اس کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔

گردشِ افلاک کو ملاحظہ فرمائیں کہ جو شخص پہلے شکار پر جاتا تھا تو اس کے ساتھ ہزاروں افراد ہوتے تھے اور جب جزیرہ "آبسکون" میں اس نے خودکشی کی

تو کسی کی آنکھ میں اس کے لئے ایک آنسو تک نہ تھا۔ جو اطلس و کمخواب کے بستر پر سونے کا عادی تھا اسے کفن تک میسّر نہ تھا۔ اسے اسی لباس میں دفن کیا گیا جو اس نے پہنا ہوا تھا۔

منگول سردار اس کے خاندان کو قید کرکے چنگیز خان کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان میں جتنے مرد ہیں سب کو تہِ تیغ کردیا جائے اور ان کی عورتوں کو کنیز بنالیا جائے۔ منگول لشکر کے افسروں میں اس خاندان کی عورتوں کو تقسیم کردیا گیا اس وقت خوارزم شاہ کی ماں برہنہ گھوڑے پر سوار اپنے خاندان کی رسوائی پر ماتم کررہی تھی۔ (تاریخ طبری صفحہ ۵۰)

دو بھائیوں کے کردار کا فرق

سلطان محمود غزنوی نے خطباء کو خط لکھا کہ وہ خطبہ جمعہ و عیدین میں اس کے نام کے بعد اس کے بیٹوں محمد اور مسعود کا نام لیا کریں۔

امیر حسن میکان نے جو کہ سلطان کا قریبی دوست تھا ایک دن سلطان سے پوچھا: "دنیا جانتی ہے کہ آپ کا بیٹا مسعود حکومت کی زیادہ لیاقت رکھتا ہے اور وہی آپ کا صحیح جانشین ثابت ہوسکتا ہے اس کے باوجود آپ نے خطبہ میں محمد کو مسعود پر مقدم کیوں رکھا؟"

سلطان نے کہا: "آپ نے درست کہا ہے، مسعود حکومت کی لیاقت و صلاحیت زیادہ رکھتا ہے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے، کہ اگر مسعود کو حکومت مل گئی تو وہ اپنے بھائی محمد کو ایک دن کے لئے بھی برداشت نہیں کرے گا۔ یا تو اسے قتل کردے گا یا اس کا کوئی نہ کوئی عضو ناقص کردے گا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر میں

نے خطبہ میں محمد کو مسعود پر مقدم رکھا ہے تاکہ وہ اس وجہ سے اپنے بھائی کا کچھ لحاظ رکھے۔"

سلطان محمود کے بعد وہی کچھ ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا۔ باپ کے بعد مسعود حکمران بنا تو اس نے اپنے بھائی محمد کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر نابینا کردیا اور ایک قلعہ میں اسے قید کردیا۔ محمد نے اپنے بھائی مسعود سے درخواست کی کہ اسے خرچ کے لئے ایک سو دینار دے تو اس نے ایک دینار دینے سے بھی انکار کردیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد حالات نے کروٹ بدلی۔ بغداد کا خلیفہ قتل ہوا اور پروانہ حکومت سلجوقیوں کو ملا تو مسعود نے خراسان چھوڑ دیا اور غزنی واپس آیا۔ مسعود کے غلام اور فوجی اس سے تنگ آگئے اور انہوں نے ایک شورش برپا کر کے اس کے بھائی محمد کو زندان سے باہر نکالا اور اسے حکومت کی پیش کش کی۔

محمد نے پہلے تو معذرت کی لیکن فوجیوں نے کہا: "اگر اس نے منصبِ حکومت قبول نہ کیا تو اسے قتل کردیا جائے گا۔"

مجبور ہو کر محمد کو حکومت قبول کرنا پڑی۔ سپاہیوں نے مسعود کو گرفتار کر کے محمد کے سامنے پیش کیا تو محمد نے بھائی سے کہا: "تجھے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جس قلعہ کو اپنے لئے پسند کرو میں تمہیں وہ قلعہ دینے پر آمادہ ہوں۔"

مسعود نے ایک قلعہ کا نام لیا تو محمد نے کہا: "میں نے تمہیں اس قلعہ کا حاکم بنایا ہے۔"

پھر مسعود نے اس سے جیب خرچی کے لئے کچھ رقم طلب کی تو محمد نے پانچ سو دینار عطا کئے۔"

وزارت کے بعد کیا گل کھلائے؟

احمد بن محمد، معتصم کا وزیر تھا۔ ایک گورنر نے اسے خط بھیجا تو وزیر وہ خط اپنے سلطان کو پڑھ کر سنا رہا تھا۔ خط میں لفظِ "کلاء" لکھا ہوا تھا۔ خلیفہ کو اس لفظ کا معنی نہیں آتا تھا۔

چنانچہ اس نے وزیر سے اس لفظ کا معنی دریافت کیا تو وزیر نے کہا: "سچی بات یہ ہے کہ مجھے خود بھی اس لفظ کا معنی معلوم نہیں ہے اور ہماری عجیب حالت ہے خلیفہ ان پڑھ اور وزیر جاہل ہے۔"

خلیفہ نے کہا: "اس وقت ہمارا کوئی کاتب موجود ہو تو اسے بلایا جائے۔"

خلیفہ کو بتایا گیا کہ اس وقت محمد بن عبدالملک موجود ہے۔

خلیفہ نے کہا: "اسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ خلیفہ نے محمد بن عبدالملک سے لفظ "کلاء" کے معنی دریافت کئے تو اس نے کہا: "الکلاء العشب علی الاطلاق فان کان رطبا فحصوا الخلی فاذا ایبس فهوا الحشیش" لفظ "کلاء" کے معنی مطلقاً گھاس کے ہیں اور اگر وہ گھاس تر ہو تو اسے "خلی" کہتے ہیں اور اگر خشک ہو جائے تو اسے "حشیش" کہتے ہیں۔

پھر اس نے نباتات کی تقسیم بندی بیان کرنی شروع کی تو خلیفہ اس کی لیاقت و قابلیت سے بڑا متاثر ہوا اور اسے وزارت کا قلمدان سونپ دیا۔

محمد بن عبدالملک نے وزارت کے دوران بڑی قوت حاصل کرلی اور ظلم وجور سے مال اکٹھا کرنے لگا اور وہ ایک طویل عرصہ تک یعنی معتصم کے دور سے واثق کے دور تک برسر اقتدار رہا۔

ابن وہب کہتا ہے کہ میں اور ابن خصیب اور حکومت کے دوسرے بہت

سے معزول حکام محمد بن عبدالملک زیّات کی قید میں تھے اور اس نے ہم سے رہائی کے لئے بہت بڑی رقم طلب کی تھی جس کی ادائیگی ہمارے بس سے باہر تھی۔ ہم اپنی رہائی سے مایوس ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ میں واثق باللہ بیمار ہوا احمد بن ابی داؤد قاضی اس کی مزاج پرسی کے لئے گیا تو خلیفہ واثق باللہ نے کہا: "احمد! میں تو اپنی ہاتھوں سے دنیا و آخرت دونوں دے چکا ہوں۔"

قاضی نے کہا: "وہ کیسے؟"

خلیفہ نے کہا: "یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہیں اسی لئے میرے ہاتھ سے دنیا نکل چکی ہے اور زندگی میں اتنے غلط کام میں نے کیے ہیں جن کی وجہ سے آخرت بھی میرے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اب اگر میری اخروی نجات کا تم سے کوئی سامان ممکن ہے تو ضرور کرو۔"

قاضی نے کہا: "آپ کے وزیر محمد بن عبدالملک نے بہت سے حکام کو معزول کر کے زندان میں ڈالا ہوا ہے اور ان سے رہائی کے عوض بھاری رقوم کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ان کے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہیں ہے۔ قیدیوں کے خاندان کے ہزاروں افراد آپ اور آپ کے وزیر کو بددعائیں دیتے ہیں۔ آپ اپنے وزیر کو حکم دیں کہ وہ ان قیدیوں کو آزاد کر دے۔ جب وہ آزاد ہوں گے تو ان کے لواحقین کی بددعا آپ کے لئے دعا میں بدل جائے گی اور ممکن ہے کہ ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت عطا کر دے۔"

خلیفہ نے قاضی کو حکم دیا: "میری طرف سے تم وزیر کو لکھو کہ وہ ان قیدیوں کو فوراً رہا کر دے۔"

قاضی نے کہا: "وزیر میرا خط پہچانتا ہے وہ میرے خط کو دیکھ کر قیدیوں کو آزاد نہیں کرے گا۔ آپ اپنے ہاتھ سے وزیر کو لکھیں۔"

واثق نے وزیر کے نام قیدیوں کی رہائی کا حکم لکھا اور ایک درباری کو بلا کر تاکید کی کہ تم وزیر کے پاس میرا یہ حکم لے کر جاؤ اگر وہ گھوڑے پر سوار ہو تو اسے کہو کہ گھوڑے سے اتر کر قیدیوں کی رہائی کا فرمان جاری کرے۔

درباری خلیفہ کا حکم لے کر گیا تو اس وقت وزیر دار الامارہ آرہا تھا۔ اس نے اسے راستہ میں روک کر کہا: "خلیفہ کا حکم ہے گھوڑے سے اتر کر اس کے فرمان کی پہلے تعمیل کرو اور اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرو۔"

وزیر نے خلیفہ کے خط کو پڑھا تو کہا کہ: "میں خلیفہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کروں گا۔"

درباری نے کہا: "یہ اب ناممکن ہے۔ تجھے پہلے اس کے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی ورنہ اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے تیار کر لو۔"

وزیر نے مجبور ہو کر قیدیوں کو آزاد کیا۔ (از تاریخ محیرہ ص ۳۵۸)

اس وزیر نے ایک عقوبت خانہ میں لوہے کا ایک تنور بنایا تھا جس میں دائیں بائیں لوہے کی سلاخیں نصب تھیں جب وہ کسی مخالف کو قتل کرنا چاہتا تھا تو حکم دیتا تھا کہ تنور کو زیتون کی لکڑیوں سے گرم کیا جائے اور جب تنور اچھی طرح سے سرخ ہو جاتا تو وہ اپنے مخالفین کو اس دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیتا تھا جہاں آگ کے انگارے اور دہکتی ہوئی لوہے کی سلاخیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس نے سینکڑوں بے گناہوں کو اس تنور کے ذریعے سے قتل کیا تھا۔

واثق کے بعد متوکل برسر اقتدار آیا اور کسی وجہ سے وہ وزیر پر ناراض

ہو گیا۔ اسے منصب وزارت سے برطرف کردیا اور اس کی تمام جائیداد اپنے قبضے میں لے لی اور حکم دیا کہ اسے اس کے بنائے ہوئے تنور میں قید کردیا جائے۔

محمد بن عبدالملک چالیس دن تک اپنے ہی بنائے ہوئے تنور میں قید رہا۔ مرنے سے ایک روز قبل اس نے متوکل کو خط لکھا جس میں اس نے یہ شعر لکھے تھے :

هی السبیل فمن یوم الی یوم
کانه ماتریك العین فی النوم
لا تجز عن رویدا انها دول
دنیا تنقل من قوم الی قوم

حکومت و اقتدار تو ایک چلتا ہوا راستہ ہے کبھی کوئی چل رہا ہے اور کبھی کوئی۔ حکومت و اقتدار پر مغرور نہ ہونا چاہئے کیونکہ حکومت بھی ایک خواب کی طرح ہے۔ انقلاب زمانہ سے گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ کبھی کسی کے پاس ہے اور کبھی کسی کے پاس ہے۔

جس دن متوکل کو اس کا خط ملا۔ اس دن متوکل کو اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ وہ اس کے خط کو پڑھتا۔ دوسرے دن جب متوکل نے اس کے خط کو پڑھا تو اس کی رہائی کا حکم جاری کردیا لیکن جب تنور کھولا گیا تو وہ مرچکا تھا۔

دردمندانہ اپیل

ظلم کی مذمت سے قرآن و حدیث اور تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے اوراق میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم مذمت ظلم کے لئے

بطور اختصار قرآن مجید کی چند آیات اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں :

۱۔ "واللہ لا یحب الظالمین" اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

۲۔ "ان اللہ لایهدی القوم الظالمین." بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

۳۔ "انه لا یفلح الظالمون." ظالم کامیاب نہ ہوں گے۔

۴۔ "قل هل یهلك الا القوم الظالمون." کہہ دو کہ ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ "وكذلك نجزی الظالمین." اور ہم ظالموں کو اسی طرح سے بدلہ دیتے ہیں۔

۶۔ "فانظر کیف کان عاقبة الظالمین." دیکھو تو سہی کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا۔

۷۔ "ان الظالمین لهم عذاب الیم." بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

۸۔ "ومن یظلم منکم نذقه عذابا الیما." اور تم میں سے جو ظلم کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

۹۔ "فویل للذین ظلموا من عذاب یوم الیم." دردناک دن کے عذاب کی وجہ سے ظلم کرنے والوں کے لئے افسوس ہے۔

۱۰۔ "لاتحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون." جو کچھ ظالم کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز غافل نہ سمجھنا۔

۱۱۔ "انما یؤخرهم لیوم تشخص فیه الابصار." انہیں اللہ اس دن کے

لئے مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں پھٹی ہوں گی۔

کتاب احادیث، ظلم کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اشتد غضبی علی من ظلم من لا یجد ناصرا غیری." میرا غیظ و غضب اس پر سخت ہوگا جو اس پر ظلم کرے جس کا میرے علاوہ کوئی مددگار نہ ہو۔

مولا علی علیہ السلام کا فرمان ہے: "بئس الزاد الی المعاد العدوان علی العباد." آخرت کے لئے بدترین توشہ بندوں پر ظلم کرنا ہے۔

آپ کا ایک اور فرمان ہے: "من خاف القصاص کف عن ظلم الناس." جسے قصاص کا خوف ہوگا وہ لوگوں پر ظلم کرنے سے پرہیز کرے گا۔

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "دعوۃ المظلوم مستجابۃ ولو کان من فاجر." مظلوم کی بددعا قبول ہے اگرچہ مظلوم فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک روایت میں لفظ کافر بھی وارد ہوا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "قال اللہ تعالیٰ وعزتی و جلالی لا اجیب دعوۃ المظلوم دعانی فی مظلمۃ ظلمها ولاحد عنده مثل تلك المظلمۃ." اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں کسی ایسے مظلوم کی دعا قبول نہیں کروں گا جو اسی مقدار میں کسی پر ظلم کر چکا ہو۔

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے: "مایأخذ المظلوم من دین الظالم اکثر مما یأخذ الظالم من دنیا المظلوم." ظالم کسی مظلوم کی دنیا کا اتنا نقصان نہیں کرتا جتنا مظلوم ظالم کے دین کا نقصان کرتا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

عن ابی جعفر علیه السلام قال لما حضر علی بن الحسین علیه السلام الوفاة ضمنی الی صدره ثم قال: یا بنی اوصیك بما اوصانی به ابی علیه السلام حین حضرته الوفاة و بما ذکر ان اباه اوصاه به قال: یابنی ایاك و ظلم من لایجد علیك ناصرا الا اللّٰهُ.

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب امام زین العابدن علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا: "بیٹا! میں تمہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو میرے والد نے اپنی شہادت سے پہلے مجھے کی تھی اور میرے والد نے یہ بتایا تھا کہ ان کے والد امیر المؤمنین علیہ السلام نے انہیں یہ وصیت کی تھی اور وہ وصیت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص پر ظلم نہ کرنا جس کا خدا کے علاوہ کوئی مددگار نہ ہو۔"

"الکافی ج ۲ ص ۳۳۱"

عن الصادق علیه السلام قال: ثلاث دعوات لا یحجبن عن اللّٰه تعالی دعاء الوالد لولده اذا بره و دعوته علیه اذا عقه و دعاء المظلوم علی ظالمه و دعائه لمن انتصر له منه و رجل مؤمن دعالاخ له مؤمن واساه فینا و دعائه علیه اذا لم یواسه مع القدرة علیه واضطر اخیه الیه.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت کے لئے اللہ کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی:

۱۔ باپ کی اپنے بیٹے کے حق میں دعا جب بیٹا اس سے بھلائی کرے اور باپ کی بیٹے پر بددعا جب بیٹا باپ کی نافرمانی کرے۔

۲۔ مظلوم کی ظالم کے خلاف بددعا اور ایسے شخص کے حق میں دعا، جو ظالم

سے اس کا حق وصول کر کے اس کے حوالے کرے۔

۳۔ ایک مؤمن کی دوسرے مؤمن کے لئے دعا جو ہماری وجہ سے اس کی مدد کرے اور اس کے خلاف بد دعا جو قدرت رکھنے کے باوجود مؤمن کی مدد نہ کرے اور جبکہ مؤمن کو بھی اس کی مدد کی اشد ضرورت ہو۔"

عن یونس بن ظبیان قال: قال ابو عبداللّٰہ یا یونس من حبس حق المؤمن اقامه اللّٰہ یوم القیامة خمس مائة عام علی رجلیه حتی یسیل من عرقه او دیة وینادی منادمن عنداللّٰہ هذا الظالم الذی حبس عن اللّٰہ حقه قال فیوبخ اربعین یومائم یؤمربه الی النار.

وعنه ایضا قال: ایما مؤمن حبس مؤمنا عن ماله وهو یحتاج الیه لم یذق واللّٰہ من طعام الجنة ولا یشرب من الرحیق المختوم.

"بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۰۳ نقل از محاسن"

یونس بن ظبیان کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "یونس! جو مؤمن کے حق کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن پانچ سو سال پاؤں پر کھڑا رکھے گا یہاں تک کہ اس کے پاؤں سے پسینہ کی نہریں جاری ہو جائیں گی اور اللہ کی طرف سے ندا کرنے والا یہ ندا دے گا کہ یہ وہ ظالم ہے جس نے اللہ کا حق روک لیا تھا۔ پھر اسے چالیس دن تک زجر و توبیخ کی جاتی رہے گی۔ پھر اسے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔"

اور امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "وہ شخص جو مؤمن کا مال روک لے اور مؤمن کو اس کی ضرورت ہو تو خدا کی قسم وہ جنت کے طعام کا ذائقہ نہیں چکھ سکے گا اور جنت کی سر بمہر شراب طہور کو نہیں پی سکے گا۔"

باب ہشتم

عدل و انصاف

عمر بن عبدالعزیز کے عدل کا نتیجہ

ایک مرتبہ منصور دوانیقی نے عمرو بن عبید سے نصیحت کرنے کی درخواست کی اس نے کہا: "میں تمہیں سنی سنائی بات بتاؤں یا اپنی چشم دید بات بتاؤں؟"

منصور دوانیقی نے کہا: "بھلا سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح کیسے ہو سکتی ہے؟"

عمرو بن عبید نے کہا: "عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں سے انصاف پرور حاکم تھا اور اسی کے زمانہ میں لوگ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے ورثاء میں گیارہ افراد تھے اور اس کی کل میراث سات سو مثقال طلا تھی۔ اس کے ورثاء میں سے ہر ایک وارث کو ایک سو پچاس قیراط چاندی ملی اور جب ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی تو اتفاق سے اس کے ورثاء کی تعداد بھی گیارہ ہی تھی۔ ان میں سے ہر وارث کو ایک ملین یعنی دس لاکھ مثقال سونا حصہ میں آیا۔

چند دنوں بعد میں نے عمر بن عبدالعزیز کے ایک بیٹے کو دیکھا جس نے

ایک سو گھوڑے اللہ کی راہ میں جہاد اور حج کے لئے لوگوں کو دیئے اور میں نے ہشام کے ایک بیٹے کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔" (زینۃ المجالس مجدی)

مظلوم کی صدا سے سلطان بے چین ہوگیا

سلطان محمود غزنوی ایک رات سونے کے لئے اپنے بستر پر گیا تو کوشش کے باوجود اسے بستر پر نیند نہ آئی۔ اسے خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم اپنی دادرسی کے لئے آیا ہوا ہے اسی وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی۔

اس نے غلام کو بلا کر کہا: "باہر جاکر اچھی طرح سے دیکھو، اگر اس وقت کوئی مظلوم شکایت لے کے آیا ہوا ہو تو اسے میرے سامنے پیش کرو۔"

غلام دیکھ کر واپس آیا اور کہا: "مجھے اس وقت کوئی مظلوم نظر نہیں آیا۔"

سلطان نے دوبارہ سونے کا ارادہ کیا تو اس بار بھی اسے نیند نہ آئی۔ اس کو یقین ہوگیا کہ غلام نے مظلوم کی پوری طرح سے جستجو ہی نہیں کی۔ خود بستر سے اٹھ کر باہر آیا اس کے حرم سرا کے قریب ایک مسجد تھی اور مسجد سے ایک شخص کی آہ و فریاد کی آواز آرہی تھی۔

سلطان مسجد میں آیا تو دیکھا کہ مسجد میں ایک شخص نے اپنا سر جھکایا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے: "اے میرے وہ خدا! جسے نہ تو نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ اس پر مسلط ہوتی ہے۔ محمود نے مظلوموں کے لئے اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اپنے ندیموں کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیاں کر رہا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر محمود نے کہا: "میں آگیا ہوں، تم اپنا مسئلہ بتاؤ۔"

اس شخص نے کہا: "بادشاہ تیرے خواص میں سے ایک شخص جس کا نام

مجھے معلوم نہیں ہے وہ میری عزت کو تباہ کر رہا ہے۔ وہ میرے گھر آکر میری بیوی کے ساتھ زنا کرتا ہے۔"

سلطان نے کہا: "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

اس شخص نے کہا: "میرا خیال ہے کہ اس وقت وہ جاچکا ہوگا۔"

سلطان نے کہا: "جب وہ دوبارہ تمہارے گھر میں داخل ہو تو مجھے فوراً آگاہ کرنا۔"

پھر سلطان نے اپنے دربانوں کو بلا کر کہا کہ تم اس شخص کو اچھی طرح سے دیکھ لو یہ جس وقت بھی مجھ سے ملنا چاہے تم اسے نہ روکنا۔

اگلی رات وہ فوجی افسر اس غریب کی عزت و ناموس برباد کرنے کے لئے اس کے گھر آیا۔ مظلوم اسے دیکھ کر فوراً سلطان کے پاس آیا اور اسے اس ظالم کے آنے کی اطلاع دی۔

سلطان نے فوراً اپنی تلوار اٹھائی اور اس شخص کے گھر آیا اور آکر دیکھا کہ وہ شخص اس کی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ سلطان نے اس شخص سے کہا کہ تم جلدی سے چراغ بجھادو۔ اس شخص نے چراغ بجھایا تو سلطان نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ اب دوبارہ چراغ جلاؤ۔ اس شخص نے چراغ جلایا تو سلطان نے غور سے مقتول کے چہرہ کو دیکھا اور فوراً سجدۂ شکر بجالایا۔ پھر صاحب خانہ سے کہا کہ تمہارے گھر میں جو کچھ بھی کھانے کے لئے ہو میرے پاس لاؤ میں سخت بھوکا ہوں۔

اس شخص نے عرض کی: "سلطان ذی جاہ! آپ ہم غریبوں کے گھر کا کھانا کیسے کھائیں گے؟"

سلطان نے کہا: "بندۂ خدا! جو کچھ بھی تمہارے گھر میں ہو کھانے کے لئے لاؤ۔ وہ شخص خشک روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر لایا۔ پھر سلطان نے روٹی کھائی۔"

اس شخص نے سلطان سے پوچھا: "مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے چراغ بجھانے کا حکم کیوں دیا اور پھر مقتول کو دیکھ کر آپ نے سجدۂ شکر کیوں کیا اور ایک غریب کے گھر سے کھانا کیوں کھایا؟"

سلطان محمود نے کہا: "جب میں نے تیری فریاد سنی تھی تو میں یہ سمجھا تھا کہ میرے مصاحبین میں سے کسی کو ایسی جرأت نہیں ہو سکتی، ہو نہ ہو یہ میرے کسی بیٹے کا کارنامہ ہے۔ اسی لئے میں نے تجھے چراغ بجھانے کا حکم دیا تھا تاکہ اگر مجرم میرا بیٹا ہو تو شفقت پدری عدالت میں حائل نہ ہو جائے اور جب تم نے دوبارہ چراغ جلایا تو میں نے دیکھا کہ مقتول میرا بیٹا نہیں تھا، وہ ایک فوجی افسر تھا۔ اسی لئے میں نے سجدۂ شکر کیا کہ میرے کسی بیٹے سے یہ جرم صادر نہیں ہوا اور کل رات سے میں نے یہ منت مانی تھی کہ جب تک میں ظالم کو سزا نہ دوں گا اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گا، اسی لئے میں کل سے بھوکا تھا اور تم سے کھانا لانے کی درخواست کی تھی۔"

انصاف کی وجہ سے دشمن پر کامیابی ہوئی

امیر احمد سامانی، عمرو لیث سے جنگ کرنے کے لئے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ جب شہر بخارا سے اس کا گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ بخارا کے باغات پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور ان کے خوشے دیواروں سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

امیر احمد سامانی نے دل میں سوچا کہ میری ساری فوج میری انصاف پسندی اور عدل سے واقف ہے اگر انہوں نے میرے عدل کو مدنظر رکھ کر پھل نہ توڑے تو میدان جنگ میں میری کامیابی یقینی ہوگی اور اگر میرے فوجیوں نے پھل توڑے تو میری کامیابی مشکل ہو جائے گی اور پھر میں یہاں سے ہی واپس وطن روانہ ہو جاؤں گا۔ اس نے ایک شخص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ دیکھے کہ اس کے فوجی باغات کے پھل توڑتے ہیں یا نہیں۔

کچھ دیر بعد نگراں نے اسے آکر اطلاع دی کہ آپ کے کسی بھی فوجی نے پھل نہیں توڑے۔ یہ سن کر امیر سامانی نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ اب جنگ میں میری جیت یقینی ہے کیونکہ عدل کامیابی کی کلید ہے اور آخر کار وہ جنگ میں کامیاب رہا۔

اس واقعہ کی تفصیل ہم اپنی اس کتاب کے باب تکبر و خود پسندی میں لکھ چکے ہیں۔

سلطان ملک شاہ اور بوڑھی عورت

ایک دن ملک شاہ شکار کے لئے روانہ ہوا اور ایک قلعہ میں قیام پذیر ہوا۔ اس کے غلاموں نے ایک لاوارث گائے دیکھی تو اسے پکڑ کر ذبح کر دیا اور اس کا گوشت آپس میں تقسیم کر لیا۔

اتفاق سے وہ گائے ایک بوڑھی بیوہ عورت کی تھی جس کے تین بچے تھے اور ان کی گزر اوقات اسی گائے کے دودھ پر ہوتی تھی۔ بڑھیا کو معلوم ہوا کہ آج بادشاہ کا گزر دریائے زندہ رود کے پل سے ہوگا تو بڑھیا دریا کے کنارے آکر بیٹھ

گئی۔ کچھ دیر بعد سلطان اپنی فوج کے ہمراہ وہاں آیا۔ بڑھیا خاموشی سے اس کی فوج کو گزرتے ہوئے دیکھتی رہی اور جب سلطان کی سواری پل پر سے گزرنے لگی تو بڑھیا اس کے آگے آکر کھڑی ہوگئی اور کہا: "الپ ارسلان کے بیٹے! اس پل پر حساب دوگے یا پل صراط پر؟"

سلطان ملک شاہ نے کہا: "اے ضعیفہ! میں پل صراط پر حساب نہیں دے سکتا البتہ اس پل پر حساب دینے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تم پر کس نے ظلم کیا ہے تاکہ میں تمہاری دادرسی کروں؟"

بڑھیا نے کہا: "سلطان! میری ایک گائے تھی تیرے فوجی اسے ذبح کر کے کھا گئے، معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اپنی فوج کی صحیح تربیت نہیں کی جس کی وجہ سے ان کے حوصلے بلند ہو چکے ہیں۔"

سلطان نے حکم دیا کہ جن فوجیوں نے ایسا کیا ہے انہیں میرے سامنے پیش کیا جائے۔ کچھ دیر بعد مجرم سلطان کے سامنے پیش ہوئے۔ سلطان نے انہیں سخت ترین سزا دی اور بڑھیا کو ایک گائے کے بدلے میں ایک سو گائیں دیں اور پھر بڑھیا سے پوچھا کہ کیا اب تو الپ ارسلان کے بیٹے سے راضی ہے؟

بڑھیا نے کہا: "خدا کی قسم میں راضی ہوں۔"

ملک شاہ کے جانے کے بعد عورت نے اس کی خاک پا پر سر رکھا اور کہا: "خدایا! الپ ارسلان کے بیٹے نے اپنی پستی کے باوجود میرے ساتھ انصاف کیا ہے اور اس کے ساتھ سخاوت بھی کی ہے۔ خدایا! تو کریم ہے تو اس پر فضل کر اور اسے معاف فرمادے تو یہ تیری سخاوت سے بعید نہیں ہے۔"

ملک شاہ کی وفات کے بعد ایک عابد نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا

کہ: "ملک شاہ! خدا نے تجھ سے کیا سلوک کیا؟"

ملک شاہ نے جواب دیا: "اگر دریائے زندہ رود کے پل پر میں نے انصاف نہ کیا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔" (تاریخ بحیرہ ص ۲۵۔ زینۃ المجالس مجدی)

نوشیروان اور طاقِ مدائن

بیان کیا جاتا ہے کہ جب نوشیروان بادشاہ نے مشہور زمانہ محل طاقِ مدائن بنانے کا ارادہ کیا اور جس جگہ کو اس نے محل کے لئے منتخب کیا تھا اس کے متعلق اس نے حکم دیا کہ جن لوگوں کی زمین محل میں آتی ہو ان سے زمین خریدلی جائے۔ تمام لوگوں نے اپنی زمینیں فروخت کردیں لیکن اس علاقے میں ایک بڑھیا کی جھونپڑی تھی وہ اپنی زمین بیچنے پر رضامند نہ ہوئی اور اس نے کہا: "میں کسی قیمت پر سلطان کی ہمسائیگی سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔"

جب بادشاہ کو اس کے جواب سے مطلع کیا گیا تو اس نے کہا کہ بڑھیا کو مکان فروخت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ الغرض محل تیار ہوگیا لیکن اس کی ایک دیوار ٹیڑھی ہوگئی۔

ایک دفعہ سلطان روم کا سفیر آیا اور اس نے محل دیکھا تو بڑی تعریف کی لیکن اس نے محل کے ایک حصے میں کجی دیکھی تو پوچھا کہ: "محل کے اس حصے میں کجی کیوں ہے؟"

اسے بتایا گیا: "اس کے ساتھ ایک بڑھیا کا مکان ہے اس نے اپنا مکان بیچنے سے انکار کردیا تھا اسی لئے یہاں دیوار ٹیڑھی ہوگئی ہے۔"

اس نے سن کر یہ کہا: "عدل و انصاف کی یہ کجی ظلم کی استقامت سے

بہتر ہے۔"

تاریخ تحیرہ کے صفحہ ۳۲ پر مرقوم ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا طاق مدائن سے گزر ہوا تو آپؑ نے نوشیروان بادشاہ کو حکم خداوندی سے زندہ کیا اور اس سے پوچھا کہ : "اللہ نے تجھ سے کیا سلوک کیا؟"

نوشیروان نے کہا : "میں کافر تھا اسی لئے جنت سے محروم ہوں لیکن اس کے ساتھ میں عادل تھا اسی لئے دوزخ کی آگ میں جانے سے بچ گیا ہوں۔"

جب بادشاہ عادل ہو تو رعایا بھی امین ہوتی ہے

نوشیروان بادشاہ ایک مرتبہ لباس اور حلیہ بدل کر ایک دیہاتی کا مہمان ہوا۔ صاحب خانہ نے اسے ضیافت دی۔ نوشیروان نے دیکھا کہ اس کا انگوروں کا باغ پک کر تیار ہونے والا ہے تو اس نے میزبان سے باغ کے انگور کھانے کی فرمائش کی۔

میزبان اپنے باغ سے انگور لانے کی بجائے ایک اور مقام سے انگور لے آیا اور مہمان کے سامنے انگور پیش کئے۔

نوشیروان نے کہا : "میں چاہتا تھا کہ تو مجھے اپنے ہی باغ کے انگور کھلاتا مگر تو اپنے باغ کے انگور کھلانے کی بجائے کسی اور کے باغ سے انگور لے آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

میزبان نے کہا کہ : "جناب میں نے ابھی تک ان انگوروں کا خراج ادا نہیں کیا۔ ابھی تک میرے باغ کے انگوروں میں سلطان کا حصہ ہے۔ جب تک میں حکومت کی بٹائی ادا نہ کرلوں اپنے باغ کے انگوروں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

رعایا کی ایمانداری دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس سے کہا کہ :

"بادشاہ کو تمہارے انگور کے باغ کا کوئی علم نہیں ہے لیکن تو اس کے باوجود بھی اپنے باغ میں تصرف نہیں کرتا۔"

میزبان نے کہا : "ہم نے سنا ہے کہ ہمارا سلطان عادل ہے اور جب سلطان عادل ہو تو رعایا بھی امین ہوتی ہے۔" (تاریخ تحیرہ)

خضرؑ، منصور کو عدل و انصاف کی تلقین کرتے ہیں

۱۴۴ھ میں منصور حج کرنے کے لئے مکہ آیا اور دار الندوہ میں قیام کیا۔ وہ رات کے پچھلے پہر بیت اللہ کے طواف کے لئے آتا اور نماز فجر پڑھ کر اپنی جگہ چلا جاتا تھا۔

ایک رات منصور طواف میں مصروف تھا کہ اس نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے خدا کے حضور یوں عرض کررہا تھا : "اللھم انا نشکو الیك ظھور البغی و الفساد فی الارض وما یحول بین الحق واھله من الظلم" یعنی خدایا! زمین پر ظلم وجور ظاہر ہونے کی ہم تیرے پاس شکایت کرتے ہیں، خدایا! تو دیکھ رہا ہے کہ حقداروں کو حق نہیں ملتا اور ظلم کا دور دورہ ہے۔"

منصور نے غور سے اس فریاد کو سنا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ : "میں تجھ سے یہ کیا سن رہا ہوں؟"

اس شخص نے کہا : "اگر تو میرا کہنا مانے تو میں تجھ سے چند باتیں کروں؟"

منصور نے کہا : "تم جو چاہو خوشی سے کہو۔"

اس شخص نے کہا: "خداوند عالم نے تجھے مسلمانوں کا نگہبان مقرر کیا ہے مگر تو نے اپنے دروازے پر دربان کھڑے کر دیئے ہیں جو لوگوں کو تیرے پاس آنے سے منع کرتے ہیں۔ ظالم وزراء اور خائن حکام نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ اسی لئے پوری مملکت میں ظلم و فساد کا بازار گرم ہو گیا ہے۔

میں کبھی کبھی چین جاتا رہتا ہوں وہاں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا اور اتفاق سے اس کی قوت سماعت ختم ہوگئی تو وہ زارو قطار رونے لگا۔ وزراء نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں قوت سماعت کی محرومی کی وجہ سے نہیں روتا، میں اس لئے رو رہا ہوں کہ اب میں فریادیوں کی فریاد نہیں سن سکوں گا، اب اگرچہ میں قوت سماعت سے محروم ہو چکا ہوں مگر ابھی میرے پاس قوت بصارت موجود ہے، میں اسی قوت کے ذریعے فریادیوں کی مدد کروں گا۔

پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے ملک میں مظلوم اور ستم دیدہ شخص کے علاوہ کوئی شخص سرخ رنگ کا لباس نہ پہنے تاکہ اسے مظلوم کے پہچاننے میں آسانی رہے۔ پھر وہ روزانہ ہاتھی پر سوار ہو کر پورے شہر کا چکر لگاتا تھا۔ اسے جہاں کہیں سرخ لباس والا شخص نظر آتا تو اس کی دادرسی کرتا۔ وہ بادشاہ اگرچہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی رعایا پروری اس کے حرص سے زیادہ تھی اور تو ماشاء اللہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے تیرا تعلق ہے اس کے باوجود تو نے اپنی آسائشات کو مسلمانوں کے مفادات پر مقدم رکھا ہے۔"

مرد حق پرست کی کھری باتیں سن کر منصور رونے لگا اور کہا کہ: "کاش میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔"

پھر منصور نے کہا کہ: "اب میری رہنمائی فرمائیں کہ نظام کا بگاڑ کیسے درست ہو سکتا ہے؟"

مرد خدا نے جواب دیا: "نیک اہل علم اور پرہیزگار افراد کو اپنے قریب لاؤ اور ان کا احترام کرو۔"

منصور نے کہا: "یہ طبقہ تو مجھ سے بھاگ کر دور دراز مقام پر چلا گیا ہے۔"

مرد حق نے کہا: "وہ اس لئے تجھ سے دور ہوئے ہیں کہ انہیں خدشہ تھا کہ تو انہیں اپنے ظلم و ستم میں شریک کرے گا، اگر تو آج بھی اپنے دروازے مظلوموں کے لئے کھول دے اور ظالم دربانوں کو ہٹادے اور مظلومین کی دادرسی کر تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ بھاگے ہوئے لوگ واپس آجائیں گے اور تیری مدد کریں گے۔"

منصور نے کہا: "خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں اس مرد حق کی باتوں پر عمل کر سکوں۔"

اتنے میں مسجد الحرام میں اسے تلاش کیا گیا لیکن وہ بندۂ خدا کہیں نظر نہ آیا، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مرد حق حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

سلطان جلال الدولہ اور مظلوم کسان

ایک مرتبہ سلطان جلال الدولہ اپنی عادت کے مطابق شکار کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں ایک کسان نے اسے روک کر کہا کہ: "کچھ دیر قبل آپ کے تین غلام یہاں آئے اور میرے کھیت میں سے بہت سے خربوزے توڑ کر لے گئے۔ آپ میری مدد کریں اور ان ظالموں کو سزا دیں۔"

سلطان نے کہا کہ: "تم سرخ خیمہ کے قریب جاکر بیٹھ جاؤ میں کچھ دیر بعد واپس آکر اس کا فیصلہ کروں گا۔"

کسان بادشاہ کے سرخ خیمہ کے قریب جاکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد بادشاہ آیا تو اس نے اپنے ایک ملازم سے کہا کہ: "میں خربوزہ کھانا چاہتا ہوں۔ لشکر میں جاکر پتہ کرو کسی کے پاس خربوزہ ہو تو میرے پاس لاؤ۔"

سلطان کا ملازم کچھ دیر کے بعد ایک خربوزہ لے کر آیا۔ بادشاہ نے کسان سے پوچھا: "اسے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ خربوزہ تمہارے کھیت کا ہے؟"

کسان نے خربوزے کو دیکھ کر کہا: "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ خربوزہ میرے کھیت سے توڑا گیا ہے۔"

سلطان نے اپنے ملازم سے پوچھا: "تم نے یہ خربوزہ کس سے لیا تھا؟"

ملازم نے بتایا کہ: "یہ خربوزہ مجھے حاجب نے دیا تھا۔"

سلطان نے حکم دیا کہ حاجب کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب حاجب سلطان کے سامنے حاضر ہوا تو سلطان نے کہا کہ: "یہ خربوزہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تھا؟"

حاجب نے جواب دیا: "آج صبح میرے تین غلام کچھ خربوزے اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی چند دانے دیئے تھے۔"

سلطان نے کہا: "تمہارے غلاموں نے اس کسان کے کھیت سے وہ خربوزے چوری کئے تھے۔ لہذا تم جلدی سے اپنے غلام پیش کرو۔"

غلاموں کو کسی طرح سے بھنک پڑ گئی کہ آج ان پر شامت آنے والی ہے۔ وہ یہ سن کر ادھر ادھر چھپ گئے۔ حاجب نے انہیں بہت تلاش کیا لیکن وہ کہیں

نظر نہ آئے۔

سلطان نے کہا: "وہ تینوں تیرے ملازم تھے اور تو میرا ملازم ہے۔ اگر وہ نہیں ملے تو میں تجھے کسان کے ہاتھ دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سلطان نے اپنے حاجب کا ہاتھ پکڑا اور کسان کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ شخص اپنے غلام تلاش نہیں کر سکا میں اسے تیری غلامی میں دیتا ہوں اور خبردار اسے آزاد نہ کرنا۔

کسان نے حاجب کا بازو پکڑا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

حاجب نے کسان کو تین سو دینار دے کر اپنے آپ کو اس سے آزاد کرالیا۔

پھر کسان کو لے کر حاجب سلطان کے پاس آیا اور کہا: "ہمارے درمیان مصالحت ہو چکی ہے۔ میں نے تین سو دینار میں اپنے آپ کو آزاد کرایا ہے۔ یہ کسان اس بات کا گواہ اور اس وقت وہ راضی ہے۔"

سلطان نے کسان سے پوچھا: "کیا واقعی تو راضی ہے؟"

کسان نے کہا: "جی ہاں! میں اب راضی ہوں۔"

اس کے بعد سلطان نے حاجب کو معاف کردیا۔

دشمن کے روبرو عدلِ علیؑ کا تذکرہ

امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معاویہ سیاہ و سفید کا مالک بنا تو عمارہ ہمدانی کی دختر سودہ اس کے حکام کے ظلم و جور کی شکایت کرنے کے لئے شام گئی۔

جب وہ معاویہ کے دربار میں پہنچی تو معاویہ نے اسے پہچان لیا اور کہا: "کیا

تو وہی عورت نہیں ہے جو جنگ صفین میں علیؑ کی افواج کو جنگ کے لئے برانگیختہ کیا کرتی تھی؟"

جناب سودہ نے کہا: "معاویہ! تو نے بالکل درست پہچانا میں وہی سودہ ہوں جو صفین میں جوانوں کو جنگ کے لئے آمادہ کیا کرتی تھی۔"

معاویہ نے کہا: "یہاں کیسے آئی ہو؟"

جناب سودہ نے کہا: "اس وقت تو حاکم ہے اور اللہ نے حاکم پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں، ان میں سے سب سے بڑا فریضہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت ہے لیکن تیرے حکام کی حالت یہ ہے کہ "**لا یزال یعدو علینا من قبلك من یسمو بمکانك ویبطش بسلطانك فیحصونا حصد السنبل ویدوسنا درس الحرمل یسومنا الخف ویذیقنا الحتف**"

تیری طرف سے ہمارے پاس جتنے بھی عامل آتے ہیں وہ ظلم و ستم کرتے ہیں اور ہم پر جفا کرتے ہیں، گندم کے خوشوں کی طرح ہماری کٹائی کرتے ہیں، ہرمل کی طرح ہمیں اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں، ہماری جان کو ذلت و رسوائی سے دھکیلتے ہیں اور ہمیں موت کا جام پلاتے ہیں۔

بسر بن ارطاۃ تیری جانب سے آیا تھا اس نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اور ہمارا مال لوٹا۔ ہم اب بھی تجھ سے یہی کہیں گے کہ ایسے ظالم نمائندوں کو ہم سے ہٹالے ورنہ ہم تیری مخالفت کریں گے۔"

معاویہ نے کہا: "کیا تو اپنے قبیلہ کی وجہ سے مجھے ڈرانا چاہتی ہے؟ میں تجھے ایک بدمست اونٹ پر سوار کرا کے بسر بن ارطاۃ کے پاس بھیج دوں گا پھر جو وہ مناسب خیال کرے گا تم سے وہی سلوک کرے گا۔"

حضرت عمارہ نے چند لمحات تک سر کو جھکایا پھر اس نے یہ دو شعر پڑھے:

صلی الا له علی جسم تضمنها
قبر فاصبح فیه العز مدفونا
قدحالف الحق لایبغی به بدلا
فصار بالحق والایمان مقرونا

اللہ کی صلوات ہو اس جسم پر جو قبر میں مدفون ہو گیا اور اس کے ساتھ انسانی عزت و حمیت بھی دفن ہو گئی۔

وہ ساری زندگی حق کا حلیف رہا، حق کے بدلے میں اس نے کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور اس کی تمام عمر حق اور ایمان کی رفاقت میں گزر گئی۔

معاویہ نے کہا: "سودہ! تمہارے ان اشعار کا اشارہ کس کی جانب ہے؟"

خاتون نے کہا: "میر اشارہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی طرف ہے۔

تم نے اپنا کردار بھی دیکھا اور مجھ سے عدلِ علیؑ کا بھی ایک واقعہ سن لو:

"امیر المؤمنین علی السلام نے ایک شخص کو عامل زکوٰۃ بنا کر ہمارے پاس بھیجا، اس شخص نے ہم پر ستم کیا، میں اس کی شکایت کرنے کے لئے علیؑ کے پاس گئی، اس وقت نماز عشاء کے لئے صفیں درست ہو رہی تھیں، جیسے ہی ان کی نظر مجھ پر پڑی تو پوچھا: "کوئی کام ہے؟"

میں نے عرض کی: "جی ہاں۔"

آپ میرے قریب آئے اور پوری رأفت و شفقت سے مجھ سے میرا حال پوچھا۔ میں نے انہیں ان کے عامل کے ظلم کی شکایت کی تو اس وقت علیؑ رو پڑے اور آپؑ کے آنسو آپؑ کی چہرہ پر جاری ہو گئے اور کہا: "اللھم انت

الشاهد علی و علیهم انی لم امرهم بظلم خلقك ولا تبرك حقك"

خدایا! تو میرا اور ان کا گواہ ہے، میں نے انہیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا اور تیرا حق ترک کرنے کا بھی فرمان جاری نہیں کیا۔"

اس کے بعد انہوں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر یہ عبارت لکھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قدجاء تکم بینة من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسو الناس اشیائهم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها . فاذا قرأت کتابی هذا فاحتفظ بما فی یدك من عملنا حتی یقدم علیك من یقبضه منك والسلام.

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ تمہارے پاس رب کی طرف سے دلیل و برہان آچکی ہے، ترازو اور پیمانوں کو درست اور کامل رکھو لوگوں کی اشیاء کم نہ کرو اور اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو...... جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو جو کچھ تم جمع کر چکے ہو اس کی حفاظت کرو۔ ہم ایسے شخص کو بھیج دیں گے جو تم سے ہماری امانت کو وصول کرے گا۔ والسلام

حضرت امیر المؤمنین نے خط لکھ کر میرے حوالہ کیا۔ خدا کی قسم انہوں نے خط کو نہ ہی بند کیا اور نہ ہی مہریں لگا کر اسے محکم کیا۔ میں خط لے کر گئی تو وہ شخص فوراً معزول ہو گیا۔"

جب معاویہ نے حضرت سودہ کی یہ تقریر سنی تو کہا: "جو یہ چاہتی ہے اسے لکھ کر دے دو اور اسے راضی کر کے اس کے وطن روانہ کرو۔" (کشکول بہائی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

مساواتِ حیدری

جب امیر المؤمنین علیہ السلام کو خلافت راشدہ ملی تو آپؑ منبر پر گئے اور خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد آپؑ نے ارشاد فرمایا: "آدمؑ نے کسی غلام اور کنیز کو جنم نہیں دیا تھا، آدمؑ نے تمام بچوں کو آزاد جنم دیا تھا، لیکن بعد میں اللہ نے ایک کو دوسرے کا مالک بنادیا، تو جس کو پریشانی ہو تو اسے چاہئے کہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے اور اپنے خدا پر احسان نہ جتائے۔

ہمارے پاس کچھ مال و دولت پہنچی ہے۔ ہم اس دولت کو کالوں اور گوروں میں برابر برابر تقسیم کریں گے۔"

اس وقت مروان بن الحکم طلحہ، زبیر کے قریب بیٹھا ہوا تھا اس نے انہیں کہا کہ علیؑ کے ان الفاظ کا اشارہ تمہاری جانب ہے۔

پھر آپؑ نے ہر شخص کو تین تین دینار عطا کئے۔ آپؑ نے ایک انصاری کو تین دینار دیئے اس کے بعد ایک تازہ آزاد کردہ غلام کو بھی آپؑ نے تین دینار دیئے۔

انصاری نے کہا: "میں نے اس غلام کو کل آزاد کیا تھا کیا اس کا حصہ اور میرا حصہ برابر ہے؟"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "جب میں قرآن مجید میں غور کرتا ہوں تو نبی اسماعیلؑ (جن کی ماں کنیز تھیں) اور نبی اسحاقؑ (جن کی ماں آزاد تھیں) میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔"

دراصل مساوات حیدری کو دیکھ کر ہی لوگوں نے آپؑ سے جنگِ جمل کرنے کی ٹھانی۔

خلیفہ ثالث کے دور حکومت میں ایک "اشرافیہ" طبقہ معرضِ وجود میں آچکا تھا۔ جنہوں نے بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر بنالیا تھا اور بندگان خدا کو اپنا غلام سمجھتے تھے اور مسلمانوں کے جملہ وسائل پر ان کا تصرف تھا۔ پورے براعظم کا خمس فرد واحد کی جیب میں جاتا تھا اور تمام مزرعہ، جائیدادیں ان کے دستِ تصرف میں دے دی گئی تھیں اور ان کے ہاں سینکڑوں غلام کام کرتے تھے۔

غرضیکہ عالمِ اسلام کے وسائل کو لوٹ کر ان لوگوں نے بے تحاشا دولت جمع کرلی تھی۔ (خلیفہ ثالث کے عہد حکومت میں کیا کچھ ہوا اس کے لئے محترم تیجانی سماوی کی کتاب المیہ جمعرات کا مطالعہ فرمائیں)

مساواتِ حیدری سے اشرافیہ طبقہ کے مفادات پر زد پڑتی تھی اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ علیؑ ان کی تمام تر جاگیریں واپس لے لیں گے۔ انہوں نے اپنی جاگیروں کے تحفظ کے لئے علیؑ کے خلاف ایکا کرلیا تھا۔

چنانچہ طلحہ و زبیر علی علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؑ نے فرمایا: "میں سمجھتا ہوں کہ تم وہاں جاکر فتنہ و فساد برپا کرو گے۔ اگر تمہیں ہر قیمت پر جانا ہی ہے تو سخت قسموں کے ساتھ میرے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرو کہ تم کوئی خیانت نہیں کرو گے۔"

ان دونوں نے قسمیں کھا کر آپؑ کی دوبارہ بیعت کی اور وعدہ کیا کہ وہ آپؑ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

جب وہ پشت دکھا کر وہاں سے چلے تو آپؑ نے فرمایا: "ان کے سفر کا مقصد خیانت ہے۔"

ساتھیوں نے کہا: "تو آپؑ انہیں واپس کیوں نہیں بلوا لیتے؟"

تو آپؑ نے فرمایا: "لیقضی اللّٰہ امرًا کان مفعولا" تاکہ جو کچھ خدا نے مقرر کیا ہے وہ ہو کر رہے۔"

طلحہ و زبیر مکہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ہر ملنے والے کو یہ کہتے رہے کہ ہم نے مجبور ہو کر علیؑ کی بیعت کی تھی۔

جب حضرت علیؑ نے ان کی یہ بات سنی تو فرمایا: "خدا کی قسم انہوں نے اپنے آپ کو بدترین طریقہ سے قتل ہونے کے لئے پیش کیا ہے۔ یہ دونوں عنقریب مجھے ایک آراستہ لشکر اور دلیر لوگوں کے ساتھ دیکھیں گے اور یہ دونوں قتل ہو جائیں گے۔"

طلحہ و زبیر نے واقعی خیانت کی اور ام المؤمنین عائشہؓ کو اپنے ساتھ ملا کر بصرہ پہنچے، وہاں مسلمانوں کے بیت المال کو لوٹا اور کئی بے گناہ افراد کو قتل کیا۔

مولا علیؑ کو مجبور ہو کر ان کے مقابلہ میں آنا پڑا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہوئے تو حضرت علیؑ نے زبیر کو آواز دے کر بلایا۔ زبیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر علیؑ کے پاس آیا اور اتنا قریب ہوا کہ دونوں گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔

اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے زبیر کو وہ وقت یاد دلاتے ہوئے فرمایا: "زبیر! تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے میری گردن میں اپنے ہاتھ ڈالے ہوئے تھے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے فرمایا تھا: "زبیر علیؑ سے تجھے محبت ہے؟"

تو نے کہا تھا: "میں علیؑ سے کیوں محبت نہ کروں جب کہ وہ میرا ماموں زاد بھائی ہے۔"

یہ سن کر رسول مقبولؐ نے فرمایا تھا: "تو عنقریب علیؑ سے جنگ کرے گا اس وقت تو ظالم ہوگا اور علیؑ مظلوم ہوگا۔"

زبیر نے یہ سن کر کہا: "علیؑ! تم نے اچھا کیا مجھے بھولی ہوئی بات یاد دلائی۔"

یہ کہہ کر اپنے لشکر کی طرف گیا، اس کے بیٹے عبداللہ نے باپ کی حالت دیکھ کر کہا: "مجھے تمہاری حالت دگرگوں نظر آتی ہے۔"

زبیر نے کہا: "علیؑ نے مجھے ایک بھولی ہوئی حدیث یاد دلائی ہے اب میں علیؑ سے جنگ نہیں کروں گا۔ میں اب یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

عبداللہ نے کہا: "اصل بات یہ ہے کہ تم عبدالمطلب کی اولادوں کی تلواریں دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے ہو۔"

زبیر نے کہا: "تو مجھے جنگ کے لئے جوش دلانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم میں علیؑ سے جنگ نہیں کروں گا۔"

عبداللہ نے کہا: "قسم کا کفارہ ادا کرو تاکہ کل قریش کی عورتیں تمہیں بزدل ہونے کا طعنہ نہ دے سکیں۔"

زبیر نے کہا: "میں نے قسم کے کفارہ میں اپنے غلام مکحول کو آزاد کیا۔"

پھر اس نے ایک نیزہ ہاتھ میں لیا اور اس کے لوہے کے سرے کو توڑا اور علیؑ کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔

مولا علی علیہ السلام نے جب اسے ٹوٹے ہوئے نیزہ سے حملہ کرتے دیکھا تو سپاہیوں سے فرمایا: "اسے راستہ دے دو۔" سپاہیوں نے اسے راستہ دیا۔

الغرض زبیر نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا، پھر بیٹے کو خطاب کر کے کہا: "تو

نے دیکھا کہ تیرا باپ بزدل نہیں ہے۔"

عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا: "اب تم نے بزدلی کا الزام اپنے آپ سے دور کر دیا ہے۔"

پھر زبیر نے اپنے لشکر کو چھوڑا اور وادی السباع سے اس کا گزر ہوا تو وہاں احنف بن قیس دو ہزار کا لشکر لئے بیٹھا تھا، اسے بتایا گیا کہ زبیر اکیلا واپس جا رہا ہے۔

اس نے کہا: "میں اکیلے زبیر کو کیا کروں جبکہ دوسرے مسلمان آپس میں جنگ کر رہے ہیں اور ایسا شخص یقیناً قتل کے لائق ہے۔"

ابن جرموز نامی ایک جوان گھوڑے پر سوار ہو کر زبیر کے پاس گیا۔ زبیر نے پوچھا: "تجھے مجھ سے کوئی کام ہے؟"

ابن جرموز نے کہا: "جی ہاں! میں آپؑ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ دو لشکروں کا کیا بنا؟"

زبیر نے بتایا: "جب میں وہاں سے جدا ہوا تھا تو دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا تھے۔"

ابن جرموز زبیر کے ساتھ چلنے لگا۔ دونوں ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوا تو زبیر نے کہا: "اگر تو مجھے امان دے تو میں نماز پڑھ لوں؟"

ابن جرموز نے کہا: "ہاں! شرط یہ ہے کہ تو بھی مجھے امان دے۔"

پھر زبیر نے وضو کر کے نماز شروع کی تو ابن جرموز نے اس پر ناگہانی طور پر حملہ کیا اور زبیر کو قتل کر دیا۔ اس کے سر کو جدا کیا اور اس کی تلوار اور انگوٹھی

اٹھا کر احنف بن قیس کے پاس آیا اور کہا: "میں نے زبیر کو قتل کیا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے ایسا کر کے اچھا کیا ہے یا برا کیا ہے؟"

احنف بن قیس نے کہا: "اپنے فعل کی اچھائی یا برائی معلوم کرنے کے لئے تجھے علی بن ابی طالبؑ کے پاس جانا چاہئے۔"

ابن جرموز زبیر کا سر اور تلوار لے کر مولائے متقیان کے پاس آیا اور داخلہ کی اجازت چاہی اور دربان سے کہا کہ علیؑ سے کہو ابن جرموز زبیر کی تلوار اور سر لے کر آیا ہے۔ (بہت سی روایات میں صرف تلوار کا ذکر ہے)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "تو نے اسے قتل کیا؟"

ابن جرموز نے کہا: "جی ہاں!۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم صفیہ کا بیٹا (زبیر) بزدل اور پست نہ تھا لیکن موت اور غلط لغزشیں اپنا کام دکھایا کرتی ہیں۔"

پھر آپؑ نے قاتل کے ہاتھ سے تلوار لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑی اور فرمایا: "طالما جلّی به الکرب عن وجه رسول الله" یہ وہ تلوار ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کئی مرتبہ تکالیف کو ہٹایا تھا۔"

ابن جرموز نے انعام کا مطالبہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے کہ صفیہ کے بیٹے (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت ہو۔"

ابن جرموز ناکام و نامراد ہو کر واپس پلٹ گیا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۴)

مالک اشتر کا مشورہ اور حضرت علیؑ کا جواب

ایک دن حضرت مالک اشتر نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: "مولاؑ! ہم نے اہل کوفہ کے ذریعہ سے جنگ جمل فتح کی اور کوفہ و بصرہ کے لوگوں کو ساتھ ملا کر صفین میں شامیوں کو شکست دی۔ لوگ پہلے پہل آپؑ کی مساوی تقسیم سے راضی تھے لیکن میری نگاہیں اس وقت یہ دیکھ رہی ہیں کہ معاشرے کے بااثر افراد اس تقسیم پر راضی نہیں ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ آپؑ کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس چلے گئے ہیں۔ آپؑ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ دین اور حقیقت کے طلب کرنے والے افراد کم ہیں اور دنیا طلب لوگ زیادہ ہیں۔ اگر آپؑ بااثر شخصیات کو وظائف میں ترجیح دیں تو وہ آپؑ کی خیر خواہی کریں گے اور آپؑ کے مددگار بن کر آپؑ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہوں گے۔"

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "مالک! ہماری عدالت کی روش قرآن مجید کی اس آیت پر مبنی ہے: "من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعلیها" جس نے نیکی کی تو اپنے لئے کی اور جس نے برائی کی تو اس کا نقصان اسے ہی برداشت کرنا ہوگا۔

اس کے باوجود مجھے ہمیشہ یہ خدشہ رہتا ہے کہ خدانخواستہ مجھ سے ذرہ برابر انحراف نہ ہو جائے اور جہاں تک لوگوں کے پراگندہ ہونے کا سوال ہے تو خدا جانتا ہے کہ یہ لوگ اس لئے فرار نہیں کر رہے کہ میں نے ان پر کوئی ظلم کیا ہے یا انہیں مجھ سے بہتر حاکم مل گیا ہے۔ یہ لوگ فقط فانی دنیا کے طلب گار ہیں۔ یہ لوگ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جا رہے ہیں اور قیامت کے دن ان

سے پوچھا جائے گا کہ تم نے دین کے لئے کام کیا تھا یا دنیا کے لئے؟

اور جہاں تک بااثر افراد کو مال و دولت دے کر اپنے ساتھ ملانے کا سوال ہے تو میں کسی کا حق کبھی بھی دوسرے کو دینے پر آمادہ نہیں ہوں اور رشوت دے کر کسی کی نصرت کا طالب نہیں ہوں۔"

عقیل سے گرم لوہے کی داستان سنیں

ایک دن معاویہ نے عقیل سے کہا: "ہمیں گرم لوہے کی داستان سناؤ۔"

عقیل علیؑ کے عدل کو یاد کر کے پہلے بہت روئے پھر کہا: "میرے مالی حالات سخت خراب ہوئے تو میں اپنے بھائی علیؑ کے پاس گیا اور ان سے مالی مدد کی درخواست کی لیکن علیؑ نے میری درخواست قبول نہ کی۔

پھر میں اپنے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کو جمع کر کے علیؑ کے پاس لے گیا اور ان سے مالی امداد کا تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ آج رات تم آنا۔

جیسے ہی رات ہوئی میں اپنے ایک بیٹے کو لے کر علیؑ کے پاس گیا تو علیؑ نے میرے بیٹے کو واپس بھیج دیا اور مجھ سے فرمایا: "میرے قریب آجاؤ۔"

میں اپنی تنگ دستی کی وجہ سے سمجھا کہ علیؑ مجھے سونے کی تھیلی دینا چاہتے ہیں، جیسے ہی میں نے ہاتھ دراز کیا تو تپتے ہوئے لوہے پر میرا ہاتھ لگا اور میں نے اسے فوراً اپنے ہاتھ سے گرا دیا اور جیسا کہ بیل قصاب کی چھری تلے چیختا ہے میں بھی اس طرح سے چیخنے لگا۔

علیؑ نے فرمایا: "عقیل! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، تو اس لوہے سے گھبرا گیا جسے تیرے بھائی نے گرم کیا ہے اور اس دن تیری اور میری کیا حالت

ہوگی جب دوزخ کی زنجیر پہنا دی جائے گی، پھر انہوں نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: "اذالاغلال فی اعنا قهم والسلاسل يسبحون" جس دن ان کی گردنوں میں طوق و زنجیر ہوں گے اور انہیں کھینچا جائے گا۔"

پھر کہا: "عقیل! خدا نے بیت المال میں جتنا حصہ مقرر کیا ہے اسی پر قناعت کرو، اگر اس سے زیادہ کا مطالبہ کرو گے تو یہی گرم لوہا تمہیں ملے گا۔ اب تم اپنے گھر چلے جاؤ۔"

معاویہ نے عقیل کی داستان سن کر تعجب کیا اور کہنے لگا: "هيهات هيهات عقمت النساء ان يلدن بمثله" عورتیں علیؑ جیسا بیٹا جننے سے بانجھ ہوگئی ہیں۔"

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۲۱ میں عقیل کی داستان بیان کرنے کے بعد ایک اور شخص اشعث بن قیس کی داستان کو ان الفاظ میں بیان کیا: "واعجب من ذلك طارق طرقنا بملغوقة فی و عائها و معجونة شنئتها كانما عجنت بريق حية"

اور اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص رات کے وقت شہد میں گندھا ہوا حلوہ ایک بند برتن میں لئے ہوئے ہمارے گھر آیا جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ سانپ کے تھوک یا اس کی قے میں گوندھا گیا ہے۔"

میں نے اس سے کہا: "کیا یہ کسی بات کا انعام ہے یا زکوٰۃ ہے یا صدقہ ہے جو کہ ہم اہل بیت پر حرام ہے۔"

اس نے کہا: "نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ یہ تحفہ ہے۔"

تو میں نے کہا: "پسر مردود عورتیں تجھ پر روئیں، کیا تو دین کی راہ سے مجھے فریب دینے کے لئے آیا ہے کیا تو بہک گیا ہے؟ یا پاگل ہو گیا ہے یا یوں ہی ہذیان بک رہا ہے۔

خدا کی قسم اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دیئے جائیں کہ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جو کا ایک چھلکا چھین لوں تو کبھی بھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ دنیا تو میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔

علیؑ کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ۔ ہم عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۱ ترجمہ مفتی جعفر حسین مرحوم اعلی اللہ مقامہ)

چند روایات

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من عامل الناس فلم یظلمهم وحدثهم فلم یکذبهم ووعدهم فلم یخلفهم فهوممن کملت مروته وظهرت عدالته ووجبت اخوته وحرمت غیبته.

"سفینہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸"

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو لوگوں کے ساتھ معاملات رکھے تو ان پر ظلم نہ کرے اور ان سے گفتگو کرے تو جھوٹ نہ بولے اور ان سے وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔ ایسے شخص کی جواں مردی کامل

ہے اور اس کی عدالت ظاہر ہے اور اس سے اخوت واجب ہے اور اس کی غیبت حرام ہے۔"

قال علی علیہ السلام فی قول اللہ تعالیٰ. یأمر بالعدل والاحسان وایتائی ذی القربی...... العدل الانصاف والاحسان التفضل وقال فی وصیته لابنه الحسن یابنی اجعل نفسك مسیرنا فیما بینك و بین غیرك فاحبب لغیرك ماتحب لنفسك واكره له ماتكره لنفسك ولا تظلم كما لاتحب ان تظلم واحسن كماتحب ان یحسن ایدك واستقبح من نفسك ماتستقبح من غیرك وارضی من الناس بما ترضاه لهم من نفسك ولا تقل مالا تعلم وقل ما تعلم ولا تقل مالا تحب ان یقال لك.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۶ نقل از نہج البلاغہ"

حضرت علی علیہ السلام نے آیت کریمہ "ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان" (بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے) کی تفسیر میں فرمایا کہ: "عدل و انصاف لوگوں کو ان کا حق دینے سے عبارت ہے اور احسان اپنے مال کا اضافہ کر کے کسی کو دینے سے عبارت ہے۔"

آپؑ نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو وصیت میں فرمایا: "اے فرزند! اپنے اور دوسرے کے درمیان ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جو اپنے لئے نہیں چاہتے اسے دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو۔ جس طرح یہ چاہتے ہو کہ تم پر زیادتی نہ ہو اسی طرح دوسروں پر بھی زیادتی نہ کرو۔ جس طرح یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ حسن سلوک ہو۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔

دوسروں کی جس برائی کو ناپسند کرتے ہو اسے اپنے لئے بھی برا تصور کرو اور جس رویے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہو اسی کو دوسروں کے لئے بھی اچھا سمجھو اور جو بات نہیں جانتے اس کے بارے میں زبان نہ ہلاؤ اگرچہ تمہاری معلومات کم ہوں۔ دوسروں کے لئے وہ بات نہ کہو جو اپنے لئے سننا گوارا نہیں کرتے۔"

وسئل علی علیه السلام عن الایمان، فقال الایمان علی اربع دعائم، علی الصبر، والیقین، والعدل، والجهاد...... والعدل منها علی اربع شعب علی غائص الفهم، وغورالعلم، وزهرة الحکم ورساخة الحلم. فمن فهم علم غور العلم، ومن علم غور العلم صور عن شرائع الحکم ومن حلم لم یفرّط فی امره وعاش فی الناس حمیدا.

حضرت علی علیہ السلام سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:
"ایمان چار ستونوں پر قائم ہے صبر، یقین، عدل اور جہاد...... اور عدل کی بھی چار شاخیں ہیں۔ تہوں تک پہنچنے والی فکر اور علمی گہرائی اور فیصلہ کی خوبی اور عقل کی پائیداری۔

چنانچہ جس نے غور و فکر کیا۔ وہ علم کی گہرائیوں سے آشنا ہوا اور جو علم کی گہرائیوں میں اترا وہ فیصلہ کے سرچشموں سے سیراب ہو کر پلٹا اور جس نے حلم و بردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہیں کی اور لوگوں میں نیک نام رہ کر زندگی بسر کی۔"

حضرت علی علیہ السلام جیسا عادل آج تک چشمِ فلک نے نہیں دیکھا، آپؑ عدل کے لئے اتنے حساس تھے کہ اپنے قاتل کے لئے بھی بے انصافی کو پسند نہیں فرمایا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم کو آپؑ کے پاس پکڑ کر لایا گیا اور آپؑ سے کہا گیا کہ یہ شخص لوگوں میں کہتا پھرتا ہے کہ: "میں علیؑ کو قتل کروں گا۔" لہٰذا آپؑ اسے سخت سزا دیں۔

مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: "میں مجرم کو جرم سے پہلے سزا کیسے دے سکتا ہوں اور جب اس لعین نے مسجد کوفہ میں آپؑ کو ضرب ماری اور آپؑ شدید زخمی ہوئے تو آپؑ نے اپنے فرزندوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور بنی عبدالمطلب کو جمع کر کے فرمایا:

"یابنی عبدالمطلب لاالفینکم تخوضون دماء المسلمین خوضا تقولون قتل امیر المؤمنین ألا لاتقتلن بی الا قاتلی. انظروا اذا انامت من ضربته هذه فاضربوه ضربة ولا یمثّل بالرجل فانی سمعت رسول الله صلوات الله علیه وآله یقول ایاکم والمثلة ولو بالکلب العقور.

"اے عبدالمطلب کے بیٹو! ایسا نہ ہونے پائے کہ تم "امیر المؤمنین قتل ہو گئے" کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دو۔ دیکھو! میرے بدلے میں صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے اور دیکھو! جب میں ایک ضرب سے مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلے میں ایک ہی ضرب لگانا اور اس شخص کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار! کسی کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹو، اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی ہو۔" (نہج البلاغہ سے اقتباسات)

عن ابی عبداللهؑ قال. ثلاثة هم اقرب الخلق الی الله عزوجل یوم القیامة حتّی یفوغ الله من الحساب، رجل لم تدعه قدرة فی حال غضبه الی ان یحیف علی

تحت یده ورجل مشٰی بین اشنین فلم یمل مع احدهما علی الاخر بشعیرة ورجل قال بالحق فیماله و علیه.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص کی اللہ تعالیٰ سے قرب و منزلت باقی مخلوق کی بہ نسبت زیادہ ہو گی یہاں تک کہ اللہ حساب سے فارغ ہو جائے:

ا۔ وہ شخص جو غصہ میں آکر اپنے ماتحت پر ظلم نہ کرے۔

۲۔ وہ شخص جو دو افراد کی صلح کے لئے کوشش کرے اور جو کے دانے کی برابر بھی کسی ایک کی طرف مائل نہ ہوا ہو۔

۳۔ جو ہمیشہ حق کہے خواہ اس کے فائدہ میں ہو یا نقصان میں ہو۔"

عن ابی عبداللّٰہؑ قال ثلاثة یدخلهم اللّٰه الجنة بغیر حساب و ثلاثة یدخلهم اللّٰه النار بغیر حساب. فاما الذین یدخلهم اللّٰه الجنة بغیر حساب فامام عادل و تاجر صدوق و شیخ افنی عمره فی طاعة اللّٰه عزوجل واما الثلاثة الذین یدخلهم اللّٰه النار بغیر حساب فامام جائر و تاجر کذوب و شیخ زان.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۵"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تین قسم کے افراد کو اللہ بغیر حساب کے جنت میں داخل کرے گا اور تین قسم کے افراد کو بغیر حساب کے دوزخ میں داخل کرے گا:

بغیر حساب جنت میں جانے والے یہ ہیں۔

ا۔ عادل حاکم

۲۔ سچا تاجر

۳۔ وہ بوڑھا جس نے اپنی زندگی اطاعت خدا میں صرف کی ہو۔"

اور وہ تین قسم کے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ حساب کے بغیر دوزخ میں داخل کرے گا۔ وہ یہ ہیں:

ا۔ ظالم حاکم

۲۔ جھوٹا تاجر

۳۔ زانی بوڑھا

عن امیر المؤمنینؑ قال ایما وال احتجب عن حوائج الناس احتجب اللّٰه یوم القیامة حوائجه و ان اخذهدیة کان غلولا وان اخذ رشوة فهو مشرک.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۱"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "جو فرمانروا اور والی لوگوں کی حاجات پوری نہیں کرتا تو قیامت کے دن اللہ اس کی حاجات پوری نہیں کرے گا۔ اگر اپنے فرائض کے لئے وہ ہدیہ قبول کرتا ہے تو وہ خائن ہے اور اگر رشوت لیتا ہے تو مشرک ہے۔"

وفی روایة قال لعمر بن الخطاب ثلاث ان حفظتهن وعملت بهن کفتک ما سواهن وان ترکتهن لم ینفعک شئی سواهن قال وما هن یا ابا الحسن؟ قال اقامة الحدود علی القریب والبعید والحکم بکتاب اللّٰه فی الرضا و السخط والقسم بالعدل بین الاحمر والا سود فقال له عمر لعمری لقد اوجزت وابلغت.

"بحار الانوار جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۲"

حضرت علی علیہ السلام نے عمر بن خطاب سے کہا: "تین چیزوں کو تم نے یاد رکھا اور ان پر عمل کیا تو وہ تجھے باقی چیزوں سے بے نیاز کر دیں گی اور اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو ان کے علاوہ باقی چیزیں تمہیں فائدہ نہ دیں گی۔"

حضرت عمر نے پوچھا: "ابوالحسنؑ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا:

۱۔ حدود خدا کو جاری کرنا خواہ تمہارا قریبی ہو یا قریبی نہ ہو۔

۲۔ خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا۔

۳۔ سرخ اور سیاہ میں بیت المال کو برابر تقسیم کرنا۔

حضرت عمر نے کہا: "یا علیؑ آپ نے مختصر اور جامع نصیحت فرمائی۔"

باب نہم

مذمّت، اسراف و سخت گزرانی

بُہلول نے قصرِ سلطانی کی دیوار پر کیا لکھا؟

ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے زیرِ تعمیر محل کا معائنہ کرنے گیا۔ راستے میں بہلول سے ملاقات ہوگئی۔

ہارون نے انہیں اپنا محل دکھایا اور پھر ان سے فرمائش کی کہ: "کوئی خوبصورت جملہ محل کی بیرونی دیوار پر تحریر کرے۔"

بہلول نے کوئلہ اٹھا کر قصرِ سلطانی کی بیرونی دیوار پر یہ عبارت تحریر کی:

"رفع الطین علی الطین ووضع الدین"

مٹی پر مٹی کو بلند کیا گیا اور دین کو خوار و پست کر دیا گیا۔

پھر بہلول نے ہارون سے کہا: "تو نے یہ محل اگر اپنی حلال دولت سے تعمیر کرایا تو یہ اسراف ہے اور اللہ کا فرمان ہے: "واللہ لایحب المسرفین" اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور اگر یہ محل لوگوں کے مال سے تعمیر کرایا ہے تو یہ خیانت ہے اور صریح ظلم ہے اور اللہ کو خیانت اور ظلم سے نفرت ہے۔"

فضول خرچی کی بدترین مثالیں

ابویاسر بغدادی کہتا ہے کہ اسلام میں دو ولیمے ایسے گزرے ہیں جن کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں ان کی مثال ملے گی۔

پہلا ولیمہ زبیدہ اور ہارون الرشید کی شادی پر دیا گیا تھا۔ ولیمہ کے شرکاء پر سونے چاندی کی بارش کی گئی اور ہارون الرشید کے دور کے علاوہ مہدی عباسی کے دور میں سرکاری خزانہ سے پانچ کروڑ دینار کا خرچہ ہوا۔

دوسرا ولیمہ حسن بن سہل کی بیٹی پوران دخت اور مامون الرشید کی شادی پر دیا گیا تھا۔

ابوالفرج لکھتے ہیں کہ یہ ایک یادگار ولیمہ تھا اس جیسا ولیمہ نہ تو دورِ جاہلیت میں ہوا اور نہ ہی مستقبل میں ایسے پر تکلف ولیمہ کی توقع ہے۔

اس ولیمہ میں مامون نے جو خرچہ کیا سو کیا لیکن حسن بن سہل نے نوازشات کی حد کردی تھی۔ اس تقریب میں جتنے بنی ہاشم، سپہ سالار اور کاتب اور حاجب شریک ہوئے ان سب میں پرچیاں تقسیم کی گئی تھیں۔

اور کسی پرچی میں باغ کا ملکیت نامہ تھا، کسی پرچی میں کنیز کا نام درج تھا اور کسی پرچی میں بہت بڑا انعام لکھا ہوا تھا اور جس شخص کو جیسی پرچی ملی تو وہ پرچی لے کر حسن کے ملازم کے پاس گیا اور اس نے پرچی پر لکھا ہوا انعام اس کے حوالہ کیا۔

اس کے علاوہ باقی شرکاء کے لئے درہم و دینار اور نافہ ء مشک و عنبر تقسیم کئے گئے۔ شادی کے شرکاء کے آنے جانے کے لئے چھتیس ہزار ملاحوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ دلہن کی رونمائی کے لئے سونے کی تاروں سے بنی

ہوئی چٹائی تیار کرائی گئی تھی اور اس چٹائی پر دلہن کے ساتھ زبیدہ دختر جعفر اور حمدونہ دختر ہارون بیٹھی تھیں۔

جب مامون الرشید آکر اس چٹائی پر بیٹھا تو سونے کے ظروف میں قیمتی جواہرات نثار کئے گئے لیکن خلفاء کی بیٹیوں نے ایک دُر کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔

مامون نے شاہی خواتین سے کہا: "اگرچہ آپ کو ان بیش بہا جواہرات کی ضرورت نہیں ہے، لیکن دلہن کے احترام کے لئے تمہیں یہ جواہرات اٹھا لینے چاہئیں۔"

اس رات تمیں (۳۰) رطل وزنی (ایک رطل عراقی بارہ اوقیہ کا ہوتا ہے۔ اور ہر اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے اور ہر درہم اٹھارہ چنوں کے برابر ہوتا ہے) عنبر کی شمع لائی گئی۔

مامون نے قیمتی شمع دیکھ کر کہا: "یہ فضول خرچی ہے۔"

زبیدہ نے وہ شمع اٹھالی اور اس کے بجائے ایک استعمال شدہ شمع جلائی گئی۔

مامون نے زبیدہ سے پوچھا: "حسن بن سہل نے اس ولیمہ پر کتنا خرچ کیا ہے؟"

زبیدہ نے کہا: "تمیں (۳۰) کروڑ سے سینتیس (۳۷) کروڑ دینار خرچ کیا ہے۔"

جب حسن بن سہل نے زبیدہ کا تخمینہ سنا تو اس نے کہا: "زبیدہ کو کیا علم ہے، ولیمہ پر اخراجات اس نے تو نہیں کئے تھے۔ اس ولیمہ پر میرے اسی کروڑ دینار خرچ ہوئے ہیں۔"

اس شادی کی دعوت طعام کے ایندھن لانے کے لئے چار ہزار گدھے

مقرر تھے اور پورے چار ماہ تک ایندھن جمع ہوتا رہا۔ مگر وہ ایندھن بھی کافی نہ ہوسکا تو دیگوں کی نیچے پٹ سن کی آگ جلائی گئی۔

شادی کے لئے خصوصی طور پر ایک شہر آباد کیا گیا تھا جس کا نام "فم الصلح" رکھا گیا تھا۔ مامون وہاں اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دلہن کی دادی نے دولہا دلہن پر جواہرات کی بارش کی۔

مامون نے کنیزوں کو حکم دیا کہ جواہرات اکٹھے کئے جائیں۔ پھر مامون نے تمام جواہرات دلہن کی دادی کو دے کر کہا: "ہماری طرف سے یہ آپ کی نذر کئے جائے ہیں۔ اگر آپ کی کوئی اور خواہش ہو تو وہ بھی ہم پوری کریں گے۔"

دلہن کی دادی نے کہا: "میری آپ سے یہی درخواست ہے کہ آپ ابراہیم بن مہدی کو معاف کردیں۔"

مامون نے ابراہیم بن مہدی کو معاف کردیا۔

قارئین کرام! آپ نے دو بادشاہوں کے ولیمہ پر اٹھنے والے اخراجات ملاحظہ فرمائے اور آپ سابقہ جلدوں میں یہ واقعہ بھی پڑھ چکے ہوں گے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کو بیت المال کا ہار عید کے روز پہننے کی بھی اجازت نہیں دی تھی اور بیٹی سے ہار یہ کہہ کر واپس لے لیا تھا کہ: "اگر اس عاریت کی ضمانت موجود نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

اسی سے علی علیہ السلام کے طرز زندگی اور نام نہاد خلفاء کے طرز زندگی کا واضح فرق نظر آتا ہے اور ہر باشعور انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ علی علیہ السلام انسانیت کے رہبر تھے اور اموی اور عباسی سلاطین بدترین حکام تھے جن کا مطمح نظر حصول دولت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

تمام پونجی نہ لٹائیں

ولید بن صبیح کہتا ہے کہ میں امام صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک سائل آیا، امامؑ نے اسے خیرات دی۔ پھر دوسرا سائل آیا، آپؑ نے اسے بھی خیرات دی۔ پھر تیسرا سائل آیا تو آپؑ نے فرمایا: "معاف کرو خدا تمہیں وسعت دے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے میری طرف رخ کر کے کہا: "اگر کسی کے پاس تیس یا چالیس ہزار درہم ہوں اور وہ خدا کے نام پر ساری دولت لٹادے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھے تو وہ ان تین افراد میں سے قرار پائے گا جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

راوی کہتا ہے میں نے عرض کی: "وہ کون لوگ ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سارا مال راہِ خدا میں صدقہ کردے اور خالی ہاتھ ہونے کے بعد کہے کہ خدایا! مجھے رزق دے، تو اللہ کہتا ہے: "کیا میں نے تجھے رزق نہیں دیا تھا؟""

(جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی ان کی تفصیل کتاب ہذا کے آئندہ اوراق میں آپ پڑھیں گے)

فضول خرچ کون؟

ایک مرتبہ امام علی نقی علیہ السلام متوکل کے دربار میں تشریف لے گئے

اور اس کے پہلو میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

متوکل آپؑ کے عمامہ کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ عمامہ قیمتی تھا، متوکل نے کہا: "آپؑ نے یہ دستار کتنے میں خریدی ہے؟"

امام علی نقی نے فرمایا: "میں نے یہ دستار پانچ سو درہم نقرہ میں خریدی ہے۔"

متوکل نے کہا: "پانچ سو درہم کی دستار خریدنا فضول خرچی ہے۔"

امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے سنا ہے کہ تو نے چند دن قبل ایک کنیز ہزار دینار زر سرخ کے بدلہ میں خریدی ہے؟"

متوکل نے کہا: "جی ہاں! یہ درست ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے پانچ سو درہم کا کپڑا اپنے بدن کے اعلیٰ ترین حصہ کے لئے خریدا اور تو نے ایک ہزار دینار زر سرخ کی کنیز اپنے بدن کے اسفل ترین حصہ کے لئے خریدی اب بتاؤ ہم میں سے فضول خرچ کون ہے؟" (لطائف الطوائف)

پانی کا ضیاع بھی اسراف ہے

حسن بصری ایک دن مولائے کائنات امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ فرات کے کنارے جارہا تھا۔ اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے ایک برتن میں پانی بھر اور کچھ پانی پی کر باقی پانی زمین پر انڈیل دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "تو نے پانی زمین پر انڈیل کر اسراف کیا ہے۔ تیرے لئے بہتر تھا کہ باقی پانی کو دریا کے پانی میں انڈیل دیتا۔"

امیر المؤمنین کی یہ نصیحت سن کر حسن بصری کو غصہ آیا اور کہا: "اگر میں نے تھوڑی سی مقدار میں پانی انڈیلا ہے تو آپؑ اسے فضول خرچی قرار دیتے ہیں جب کہ آپؑ کی تلوار سے مسلمانوں کا خون ٹپک رہا ہے کیا وہ اسراف نہیں ہے؟"

علی علیہ السلام نے فرمایا: "جب تجھے باغیوں سے اتنی ہمدردی تھی تو تو نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟"

حسن بصری نے کہا: "میرا ارادہ تھا کہ میں تلوار لے کر آپؑ کے باغیوں کی مدد کروں لیکن اس وقت میں نے ایک غیبی آواز سنی تھی کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ اسی لئے میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا تھا۔"

امیر المؤمنین علیہ السلام نے پوچھا: "تو نے سچ کہا اور کیا تو جانتا ہے کہ وہ آواز کس کی تھی؟"

حسن بصری نے کہا: "نہیں۔"

امیر المؤمنینؑ نے کہا: "وہ ابلیس کی آواز تھی۔"

پھر آپؑ نے فرمایا: "ہر امت میں ایک سامری ہوتا ہے اور حسن بصری اس امت کا سامری ہے۔" (انوار نعمانیہ صفحہ ۲۲۶)

خوراک میں اسراف امراض کا سبب ہے

ایک نصرانی طبیب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: "کیا آپؑ کے پروردگار کی کتاب اور آپؑ کے پیغمبرؐ کی سنت میں طب کا بھی ذکر موجود ہے؟"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ہمارے رب کی کتاب میں یہ آیت موجود ہے جس میں صحت کے رہنما اصول کا ذکر کیا گیا ہے: "**کلوا واشربوا ولا تسرفوا**" کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔"

ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: "**المیة من الاکل رأس کل دواء والا سراف فی الاکل رأس کل داء**" کھانے سے پرہیز ہر دوا کی بنیاد اور کھانے میں اسراف ہر بیماری کی بنیاد ہے۔"

نصرانی طبیب یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "واقعی تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت نے طب میں جالینوس کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔" (انوار نعمانیہ)

عبادت بھی ایمان کے مطابق ہونی چاہئے

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: "ایمان کے سات حصے ہیں، کسی کے پاس ایک حصہ، کسی کے پاس دو اور کسی کے پاس تین۔ علی ہذا القیاس کسی کے پاس سات حصے ہیں۔ اسی لئے ایک حصے والے شخص پر دو حصے والے کا بوجھ نہیں لادنا چاہئے اور جس کے پاس دو حصے ہیں اس پر تین حصوں والے کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔

آپ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے یہ مثال دی:

"ایک شخص کا ایک ہمسایہ نصرانی تھا۔ اس نے نصرانی کو اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی خصوصیات اس کے سامنے بیان کیں۔ نصرانی بالآخر مسلمان ہو گیا۔

دوسرے دن مسلمان اندھیرے منہ نو مسلم نصرانی کے در پر گیا اور دستک دی۔ نصرانی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: "کیا بات ہے؟"

مسلمان نے کہا کہ: "نماز کا وقت ہے وضو کرو اور مسجد چلو۔"

نو مسلم نے وضو کیا اور پرانے مسلمان کے ساتھ مسجد میں آگیا۔ اس مسلمان نے نماز شب پڑھی، اس کی دیکھا دیکھی نو مسلم نے بھی نماز شب پڑھی۔ پھر نماز فجر کا وقت ہوا۔ دونوں نے نماز فجر پڑھی اور سورج نکلنے تک اس نے نو مسلم کو مسجد میں بٹھائے رکھا۔

سورج نکلتے ہی نو مسلم اٹھنے لگا تو مسلمان نے کہا کہ: "بھائی دن چھوٹے ہیں گھر جا کر کیا کرو گے؟ بیٹھو کچھ دیر بعد ظہر کا وقت آجائے گا اور اس اثنا میں تم نوافل پڑھتے رہو۔"

نو مسلم بے چارہ ظہر تک مسجد میں بیٹھا رہا اور ظہر پڑھ کر نکلنے لگا تو اس پرانے مسلمان نے کہا: "بھائی ظہر اور عصر کے درمیان فاصلہ ہی کتنا ہے۔ وہ بے چارہ بیٹھ گیا اور عصر کی نماز بھی ادا کی۔ اسی طرح سے نماز عشاء تک پرانے مسلمان نے نو مسلم کو مسجد میں بٹھائے رکھا۔ نماز عشاء کے بعد دونوں اپنے اپنے گھروں کو گئے۔

دوسری صبح مسلمان نے نو مسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ: "بھائی آؤ نماز پڑھنے چلیں۔"

تو نصرانی نے کہا: "بھائی میں غریب آدمی ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، تم کسی نکمے شخص کو جا کر مسلمان بناؤ۔ ایسی مسلمانی سے میں نصرانی بہتر ہوں۔"

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اگر وہ شخص نو مسلم پر زیادہ بوجھ نہ لادتا تو وہ اسلام سے برگشتہ نہ ہوتا۔"

خدا کو میانہ روی پسند ہے

محمد بن حمزہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے دوست ابو ہاشم جعفری کی وساطت سے امام حسن عسکری علیہ السلام کو خط لکھا جس میں میں نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی تھی اور امام سے درخواست کی تھی کہ آپ میری تنگدستی کے خاتمہ کے لئے دعا فرمائیں۔

چند دنوں بعد مجھے امام عالی مقام کا جواب موصول ہوا جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ: "اللہ نے تیری تنگ دستی دور کر دی۔ تیرا چچازاد بھائی یحیٰی بن حمزہ مر گیا ہے اور تجھے میراث کے طور پر ایک لاکھ درہم ملیں گے۔ اس پر اللہ کا شکر کر اور میانہ روی پر عمل کر اور اسراف سے پرہیز کر کیونکہ اسراف شیطانی عمل ہے۔"

چند دن بعد ایک شخص حران سے آیا اور مجھے اطلاع دی کہ تیرا ابن عم فوت ہو گیا ہے اور اس کے ترکہ میں سے تیرا میراث کا حصہ ایک لاکھ درہم بنتا تھا جو کہ میں لے کر آیا ہوں۔

ایک لاکھ درہم ملنے کے بعد میں نے اس میں سے حقوقِ واجبہ ادا کئے اور اپنے دینی بھائیوں کی مدد کی اور پھر امام کے فرمان کے تحت میں نے تمام امور میں میانہ روی اختیار کی اور یوں میری زندگی بہتر ہو گئی۔ (بحار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷)

زندگی افراط و تفریط سے پاک ہونی چاہئے

امیر المؤمنین علیہ السلام علاء بن زیاد حارثی کی عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؑ نے اس کے گھر کی وسعت ملاحظہ کی تو فرمایا: "دنیا میں اتنا وسیع گھر لے کر تو کیا کرے گا جبکہ آخرت کے لئے ایسے گھر کی شدید ضرورت ہے؟ اگر تو چاہے کہ آخرت میں تجھے وسیع مکان ملے تو پھر مہمان نوازی کر، صلہ رحم بجا لا اور حقوق کی ادائیگی کر۔"

علاء بن زیاد نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کی شکایت کی کہ وہ رہبانیت کی طرف مائل ہو گیا ہے اور ترکِ دنیا کر چکا ہے۔

آپؑ نے حکم دیا کہ: "اسے میرے سامنے پیش کیا جائے۔

جب عاصم آپؑ کے سامنے پیش ہوا تو آپؑ نے فرمایا: "اپنی جان کے دشمن! تجھے شیطان نے گمراہ کیا ہے۔ تجھے اپنے بیوی بچوں پر رحم نہیں آتا اور تو نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال و طیب بنائی ہیں اگر تو ان سے استفادہ کرے گا تو خدا کو ناگوار گزرے گا؟"

عاصم نے کہا: "تو پھر آپؑ نے موٹا لباس کیوں پہنا ہوا ہے اور ہمیشہ سادہ اور غیر لذیذ غذا کیوں کھاتے ہیں؟"

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: "میں تجھ جیسا نہیں ہوں، اللہ نے حقیقی رہنماؤں کے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ تنگ دست افراد کی سی زندگی بسر کریں تاکہ ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر غریب لوگوں کو تسلی مل سکے۔"

(بحار الانوار جلد ۱۵ قسمت دوم صفحہ ۵۳)

اس روایت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے

دونوں بھائیوں کو ان کے حسب حال ہدایت فرمائی۔ دولت مند شخص کو مالی حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور اسے اسراف سے منع کیا اور رہبانیت اختیار کرنے والے کو اس سخت زندگی کے چھوڑنے کا حکم دیا اور اسے طیبات سے مستفید ہونے کا حکم دیا۔

یہی اسلام اور قرآن کا سبق ہے۔ اسلام نہ تو ہمارے لئے پر تعیش زندگی کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی رہبانیت کی خشک زندگی کو پسند کرتا ہے۔ اسلام میانہ روی کا درس دیتا ہے۔

امام صادقؑ اور صوفیاء کا مباحثہ

ایک دن سفیان ثوری اپنے ساتھ چند صوفیاء کو لے کر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ امامؑ نے انڈے کی طرح سفید لباس پہنا ہوا تھا۔

سفیان نے آپؑ کے لباس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: "یہ لباس آپؑ کو زیب نہیں دیتا۔"

آپؑ نے فرمایا: "سفیان جو کچھ میں کہوں اسے غور سے سن اور اسے یاد رکھ میری باتیں دنیا و آخرت میں تیرے لئے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ اگر تو سنت پر مرنا چاہتا ہے اور بدعت سے بچنا چاہتا ہے تو میری باتوں کو غور سے سن:

میرے والد علیہ السلام فرماتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اس دور میں ہوئی جب کہ چاروں طرف غربت اور تنگ دستی کا دور دورہ تھا، اسی لئے انہوں نے بھی فاقے کئے، اگر اللہ تنگ دستی دور کر کے فراخی عطا

فرمائے تو اہل ایمان کو اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔ انعامات خداوندی کو فاسقین کے لئے مخصوص نہ کرنا چاہئے۔ تیرا اعتراض اس وقت صحیح ہوتا اگر میں حق داروں کے حقوق ضائع کر دیتا اور اپنے آپ کو خوش گزرانی میں مصروف کر دیتا۔ خدا کی قسم شام ہونے سے پہلے تمام حق داروں کو ان کے حقوق مل جاتے ہیں۔"

پھر آپؑ نے اپنا قمیض ہٹا کر دکھایا تو نیچے آپؑ نے کھردرا لباس پہنا ہوا تھا اور فرمایا: "سفیان دیکھ! اوپر والا لباس میں نے لوگوں کے لئے پہنا ہوا ہے اور اپنے نفس کے لئے میں نے کھردرا لباس پہنا ہوا ہے۔"

پھر آپؑ نے سفیان کو حکم دیا کہ وہ قمیض ہٹا کر دکھائے تو سفیان معذرت کرنے لگا۔ آپ نے سفیان کی قمیض ہٹا کر دیکھی تو اس نے اندر حریر و اطلس کا لباس پہنا ہوا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: "سفیان تم پر افسوس! تم نے لوگوں کو دکھانے کے لئے کھردرا لباس پہنا ہوا ہے اور اپنے نفس کو آرام دینے کے لئے حریر و اطلس کا لباس پہنا ہوا ہے۔"

اس گفتگو سے سفیان ثوری سخت شرمندہ ہوا اور اسے مزید گفتگو کا یارا نہ رہا۔

سفیان کے ساتھیوں میں سے دو ساتھی آگے بڑھے اور عرض کی: "اگر سفیان کے پاس دلائل نہیں تھے تو اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ہمارا موقف کمزور ہے۔ ہم اپنے موقف کی تائید کے لئے قرآن و حدیث کے دلائل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کا کردار بیان کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا: "**ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاؤلئك هم المفلحون**" وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود بھی ضرورت ہوتی ہے اور جنہوں نے اپنے نفس کو بخل سے بچا لیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔"

اس کے علاوہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا کردار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "**ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا**" وہ کھانے کی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہمارے موقف کی تائید کے لئے یہی دو آیات کافی ہیں۔"

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: "لذیذ طعام سے تم خود بھی متنفر نہیں ہو، دراصل یہ تمہارا طریقہ واردات ہے کہ لوگوں کو لذیذ کھانوں سے روک کر تم ان کی دولت سے مستفید ہونا چاہتے ہو۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "بے فائدہ گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

پھر آپؑ نے ان صوفیاء کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا: "کیا تم قرآن حکیم کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ سے واقف ہو؟ کیونکہ جو بھی گمراہ ہوا وہ اس وجہ سے ہوا کہ اسے ان باتوں کا علم نہیں تھا۔"

صوفیاء نے کہا: "ہمیں تمام ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ کا علم نہیں ہے۔"

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: "پھر یہی وجہ ہے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہے۔ اس زمانہ میں اس امر کی ترغیب دی گئی تھی کہ انسان دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دے اور اپنا طعام اٹھا کر دوسروں کو کھلا دے۔ مگر یہ حکم ہمیشہ اور ہر وقت کے لئے

نہیں ہے۔ اگر بالفرض ہمارے پاس ایک روٹی ہو اور ہم وہ بھی کسی اور کو کھلا دیں تو ہم خود بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔"

اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر انسان کے پاس خرما کے پانچ دانے یا روٹی یا درہم و دینار ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کو دے۔ پھر دوسرے مرحلے میں خود کھائے اور اپنے بیوی بچوں کو کھلائے اور تیسرے مرحلے میں اپنے رشتہ داروں کو کھلائے اور چوتھے مرحلے میں اپنے ہمسایوں کو کھلائے اور پانچویں مرحلے میں راہ خدا میں کسی غریب کو کھلائے لیکن یہ انفاق کا آخری درجہ ہے۔"

ایک انصاری کے پاس پانچ یا چھ غلام تھے وہ ان کی کمائی سے مستفید ہوتا تھا۔ مرنے سے قبل اس نے سب کو آزاد کر دیا جبکہ اس کے بچے چھوٹے تھے اور کمائی کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی موجود نہیں تھا۔

جب رسول خداؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "اگر تم لوگوں نے مجھے اس کے متعلق پہلے بتایا ہوتا تو میں اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس نے چھوٹے بچوں کو لوگوں کے آگے سوالی بننے کے لئے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کر دیئے۔"

اللہ تعالیٰ نے تمہارے موقف کی تردید کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا: "**والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلك قواما**" اور جب وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور کنجوسی بھی نہیں کرتے وہ درمیانی راہ پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ تمہارا نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنا

تمام مال اٹھا کر دوسروں کے حوالے کردے، اللہ اسے اسراف کہتا ہے اور اللہ نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ اسراف اور کنجوسی دونوں کو ناپسند کرتا ہے اور درمیانی راہ پر چلنے کی تلقین فرماتا ہے۔

جو شخص اپنا سارا مال لٹادے اور پھر اللہ سے رزق طلب کرے تو وہ ان لوگوں میں سے قرار پاتا ہے جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے چند گروہ ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی:

۱۔ جو اپنے والدین کے لئے بد دعا کرے۔

۲۔ جو کسی کو قرض دے مگر نہ تو اس سے تحریر لے اور نہ ہی گواہ مقرر کرے اگر مقروض انکار کردے اور قرض خواہ اس کے خلاف بد دعا کرے تو اس کی بد دعا قبول نہیں ہوتی۔

۳۔ جو شخص اپنی بیوی کو بد دعا کرے۔ جب کہ اللہ نے طلاق کا حق اسے تفویض کیا ہے۔

۴۔ جو شخص اپنے گھر بیٹھ جائے اور اللہ سے رزق کا سوال کرے تو اللہ فرماتا ہے کیا میں نے تجھے ہاتھ پاؤں نہیں دیئے ہیں؟ گھر سے باہر نکل کر کوئی کام کرتا کہ میرا رزق تجھے مل سکے۔

۵۔ جسے اللہ نے رزق دیا لیکن اس نے سارا رزق خرچ کردیا اور پھر اللہ سے رزق کی دعا مانگے تو اللہ فرماتا ہے میں نے تجھے رزق دیا تھا لیکن تو نے اسراف کیا تو کیا میں نے اسراف سے روکا نہیں تھا؟

۶۔ وہ شخص جو قطع رحم کے لئے دعا کرے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمیں انفاق کا درس دیا ہے۔

ایک مرتبہ آپؐ کے پاس تھوڑا سا سونا تھا آپؐ نے شام سے پہلے تقسیم کردیا۔ صبح کے وقت آپؐ کے پاس ایک سائل آیا تو آپؐ نے کچھ عطا کرنے سے معذرت کی تو سائل نے آپؐ کو سرزنش کی۔

آپؐ سائل کو کچھ نہ دینے کی وجہ سے غمگین ہوئے کیونکہ آپؐ انتہائی شفیق اور رقیق القلب تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو تادیب فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی: "**ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا**" اپنے ہاتھ کو گردن سے مت باندھو اور نہ ہی اسے مکمل کھلا چھوڑو ایسا نہ ہو کہ تم ملامت زدہ اور پریشان ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

علاوہ ازیں پیغمبر اسلامؐ کی احادیث بھی اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں۔ جن کی تائید قرآن کرتا ہے اور اہل ایمان قرآن کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوذرؓ صحابہ میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ جب سلمانؓ کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تو وہ پورے سال کی گندم خرید کر اپنے پاس ذخیرہ کرلیتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ: "تمہیں پورے سال کی گندم ذخیرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ممکن ہے تم پورا سال زندہ نہ رہو؟"

حضرت سلمانؓ نے فرمایا: "کیا ضروری ہے کہ میں جلد ہی مروں آخر تم لوگ میری زندگی کا کیوں نہیں سوچتے یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں زندہ رہ

جاؤں۔"

جب انسان کے گھر میں کھانے کا سامان نہ ہو تو نفس سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، اگر گھر میں کھانے کا سامان موجود ہو تو نفس انسانی آسودگی محسوس کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کے پاس بھی بہت سی بھیڑیں اور چند اونٹ موجود تھے۔ آپؓ ان کا دودھ دوہا کرتے تھے اور خود بھی پیتے اور خاندان کو پلاتے، جب ان کا خاندان ان سے گوشت کا تقاضا کرتا تو وہ بھیڑ ذبح کر کے اپنے بیوی بچوں کو گوشت کھلاتے۔

ابوذرؓ جب ملاحظہ کرتے کہ قحط سالی نے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے تو وہ اپنے اونٹوں میں سے اونٹ ذبح کر کے ہمسایوں میں تقسیم کرتے تھے اور خود اپنے لئے ایک شخص کے حصہ برابر گوشت اٹھاتے تھے۔

ابتدائے اسلام میں لوگوں کو زیادہ محنت و مشقت کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن اللہ نے پھر ان کی کمزوری پر رحم فرمایا اور ان سے سختی کو دور کیا، اس حقیقت کی وضاحت کے لئے جہاد کی آیات موجود ہیں جن میں پہلے حکم دیا گیا تھا کہ ایک مؤمن دس کافروں سے جہاد کرے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری پر رحم کیا اور حکم دیا کہ ایک مؤمن دو کافروں سے جہاد کرے۔

اور اگر بالفرض تمہارا یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ آدمی اپنے گھر میں کچھ نہ رکھے۔ سارا مال لوگوں میں لٹا دے تو اس صورت میں قسم کا کفارہ کیسے ادا کیا جائے؟ نذر پر عمل کیسے ہو؟ زکوٰۃ کس طرح سے ادا کی جائے؟ حج بیت اللہ کی استطاعت کیسے پیدا ہو؟

تمہارے تمام تر مغالطہ کی وجہ ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ سے تمہاری عدم واقفیت ہے۔

پھر آپؑ نے ان صوفیاء کو حضرت سلیمانؑ، داؤدؑ، ذوالقرنینؑ، یوسفؑ کی حکمرانی کی مثالیں دیں۔

آخر میں انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تمہیں جس چیز کا علم نہیں ہے اس کے لئے اہل علم سے رجوع کرو۔"

چند روایات

عن علی لایذوق المرء حقیقة الایمان حتی یکون فیه ثلاث خصال الفقه فی الدین والصبر علی المصائب وحسن التقدیر فی المعیشة وقال ایضا ترک التقدیر فی المعیشة یورث الفقر.

"بحار الانوار جلد ۱۵ قسمت دوم صفحہ ۱۹۹"

علی علیہ السلام نے فرمایا: "انسان کو اس وقت تک حقیقت ایمان کا ذائقہ معلوم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تین عادات نہ ہوں:

۱) دینی ضرورت کے مسائل سے آگاہی

۲) مصائب میں صبر

۳) مخارج زندگی میں میانہ روی۔"

آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "زندگی کی اخراجات کے لئے میانہ روی کو ترک کرنا غربت و تنگدستی کا باعث ہے۔" امیر المؤمنین علیہ السلام کا مشہور فرمان ہے: "ماعال من اقتصد" جس نے میانہ روی اختیار کی وہ تنگ دست نہ ہوگا۔"

عن ایوب بن الحر قال سمعت رجلا یقول لابی عبداللہؑ بلغنی ان الاقتصاد والتدبیر فی المعیشة نصف الکسب فقال ابو عبداللہؑ لابل ھوالکسب کله ومن الدین التدبیر فی المعیشة.

"بحار الانوار جلد ۱۵ قسمت دوم صفحہ ۱۹۹"

ایوب بن حر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ: "میانہ روی اور تدبیر آدھی کمائی ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "نہیں مکمل کمائی ہے اور کیفیت زندگی کے لئے سوچنا دین کا حصہ ہے۔"

عن بشر من مروان قال دخلنا علی ابی عبداللہؑ فدعا برطب فاقبل بعضھم یرمی بالنوی قال وامسك ابو عبداللہؑ یدہ فقال لا تفعل انّ ھذا من التبذیر واللہ لایحب الفساد. و فی روایة ایضا قالؑ السرف فی ثلاث ابتذالك ثوب صونك والقائك النوی یمینا و شمالا و اھراقك فضلة الماء و قال لیس فی الطعام سرف.

"بحوالہ مندرجہ بالا روایات"

بشر بن مروان کہتا ہے ہم امام جعفر صادقؑ کے پاس گئے، آپؑ نے ہمارے لئے کھجوریں منگائیں تو ہم میں سے کچھ آدمیوں نے ادھر ادھر گھٹلیاں پھینکیں تو آپؑ نے اپنا ہاتھ روک کر فرمایا: "ایسا مت کرو، یہ اسراف ہے اور اللہ کسی چیز کو ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔"

ایک اور روایت میں آپؑ نے فرمایا: "اسراف تین چیزوں میں ہے:

۱۔ کام کے وقت اپنا بہترین لباس پہننا

۲۔ گھٹلیوں کو دائیں بائیں پھینکنا

۳۔ فالتو پانی پھینک دینا اور آپؑ نے فرمایا: "خوراک میں اسراف نہیں ہے۔"

عن ابان بن تغلب قال: قال ابو عبداللہؑ اتری اللہ اعطی من اعطی من کرامته علیه رفع من منع من ھوان به علیه لاولکن المال مال اللہ یصنعه عندالرجل ودایع وجوز لھم ان یأکلوا قصد او یشربوا قصد او یلبسوا قصد او ینکحوا قصدا ویرکبوا قصدا ویعودوا بما سوی ذلك علی فقراء المؤمنین ویلموبه شعثھم فمن فعل ذلك کان مایأکل حلالا ویشرب حلالا ویرکب وینکح حلالا ومن عدا ذلك کان علیه حراما ثم قال لاتسرفوا انه لایحب المسرفین أتری اللہ ائتمن الرجل علی مال خول له ان یشتری فرسا بعشرة الاف درھم ویجزیه فرس بعشرین درھما ویشتری جاریة بالف دینار ویجزیه بعشرین دینار اوقال لاتسرفوا انه لایحب المسرفین.

"بحار جلد ۱۵ قسمت دوم صفحہ ۲۰۱"

ابان بن تغلب کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے اس کی اللہ کے نزدیک کوئی منزلت ہے اور جسے اللہ نے غربت و تنگدستی دی ہے وہ خدا کے ہاں ذلیل ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مال و دولت خدا کی ملکیت ہے اللہ نے بعض لوگوں کو اس کا امین بنایا ہے اور پھر اس نے انہیں اجازت دی ہے کہ وہ میانہ روی سے کھائیں، پیئیں، لباس پہنیں اور نکاح کریں اور سواریوں پر سوار ہوں ان جائز اخراجات سے جو بچ جائے تو غریب مؤمنین کی اس سے مدد کریں ان کی پریشانیوں کو دور کریں۔ جس نے ایسا کیا تو اس کا کھانا پینا، سواری اور شادی اس کے لئے حلال ہے۔ جس نے اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لئے سب کچھ حرام ہے۔"

پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی : "اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

یہ کہاں تک درست ہے کہ اللہ ایک شخص کو مال و دولت کا امین بنائے اور وہ دس ہزار درہم کا گھوڑا خریدے جب کہ اس کے لئے بیس درہم کا گھوڑا بھی کفایت کر سکتا ہے اور ہزار دینار کی ایک کنیز خریدے جبکہ بیس دینار کی کنیز سے اس کا گزارا ہو سکتا ہے۔ پھر آپؑ نے دوبارہ قرآن مجید کی وہی آیت تلاوت فرمائی :

"اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

باب دہم

مذمتِ حُبِ دنیا

چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ سے کیا کہا؟

داؤد بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ امام علی رضا علیہ السلام نے قرآن مجید کی آیت : "**فتبسم ضاحکا من قولها**" "سلیمان چیونٹی کی بات سن کر مسکرائے" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا :

"حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کا تخت ہواؤں کے دوش پر پرواز کر رہا تھا تو اس وقت ایک چیونٹی نے آواز دے کر کہا : "**یایها النمل ادخلوا مساکنکم لایحطمنکم سلیمان وجنوده**" اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں پامال کر دے۔"

ہوا نے چیونٹی کی گفتگو حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچائی، آپؑ نے اسی وقت فضا میں توقف کیا اور فرمایا : "اس چیونٹی کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔"

جب چیونٹی حاضر ہوئی تو آپؑ نے فرمایا : "کیا تجھے یہ علم نہیں ہے کہ میں نبی ہوں اور نبی کسی پر ناحق ظلم نہیں کرتے؟"

چیونٹی نے کہا : "مجھے علم ہے کہ آپؑ نبی ہیں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "پھر تو نے اپنی قوم کو خواہ مخواہ کیوں ڈرایا اور انہیں بلوں میں جانے کی ہدایت کیوں کی؟"

چیونٹی نے کہا: "مجھے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ میری قوم آپؑ کی عظمت و شوکت دیکھ کر آرائشِ دنیا پر فریفتہ نہ ہو جائے اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے لگ جائے۔"

پھر چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا: "کیا آپؑ کو علم ہے کہ اللہ نے ہوا کو آپؑ کے لئے کیوں مسخر کیا؟"

حضرت سلیمانؑ نے کہا: "مجھے علم نہیں ہے۔"

چیونٹی نے کہا: "خدا نے ہوا کو اس لئے مسخر کیا تاکہ آپؑ کو یہ پیغام دیا جاسکے کہ حکومت و سلطنت پر کبھی ناز نہ کرنا یہ تو ہوا کی طرح سے آنی جانی چیز ہے۔"

اسی لئے حضرت سلیمانؑ اس کی بات سن کر مسکرائے تھے۔" (بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۹۳ نقل از عیون اخبار الرضا)

عظیم مقتدر کی عجیب موت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے عظیم سلطنت عطا کی ہے جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ اللہ نے میرے ہاتھوں میں ہواؤں، جنات انسانوں اور پرندوں کو مسخر کیا ہے اور مجھے پرندوں کی زبان تعلیم فرمائی ہے، اس کے باوجود میں نے پورا ایک دن کبھی سکون سے بسر نہیں کیا۔ اسی لئے میری

خواہش ہے کہ کل کا پورا دن کوئی مجھے ملنے نہ آئے میں اپنے محل پر چڑھ کر اپنی سلطنت کا نظارہ کروں گا۔"

صبح ہوئی حضرت سلیمانؑ اپنے عصا کو ہاتھ میں لے کر محل پر آگئے اور خوش ہو کر اپنی سلطنت کا نظارہ کرنے لگے۔ اتنے میں انہوں نے ایک خوش لباس اور خوبصورت جوان کو محل کے ایک گوشہ میں دیکھا تو اس سے پوچھا: "تو کس کی اجازت سے اس محل میں داخل ہوا؟"

جوان نے کہا: "میں محل کے مالک کی اجازت سے داخل ہوا ہوں۔"

حضرت سلیمانؑ نے کہا: "بے شک اس محل کا مالک (خدا) میری نسبت تجھے اجازت دینے کا زیادہ اہل ہے۔"

پھر حضرت سلیمانؑ نے پوچھا: "کیوں آئے ہو؟"

جوان نے کہا: "میں تمہاری روح قبض کرنے آیا ہوں۔"

حضرت سلیمانؑ نے کہا: "تم اپنا فرض ادا کرو میں آج کے دن کو خوشی اور مسرت سے گزارنا چاہتا تھا لیکن میرے خدا نے چاہا کہ میں ملاقاتِ خدا سے لطف حاصل کروں۔"

حضرت سلیمانؑ نے عصا کا سہارا لیا اور ملک الموت نے ان کی روح قبض کرلی موت کے بعد بھی سلیمانؑ اسی عصا کا سہارا لئے اپنے محل پر کھڑے رہے۔ لوگ سلیمانؑ کو کھڑا دیکھ کر کہتے کہ سلیمانؑ زندہ ہیں۔

چند دنوں کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا کچھ لوگوں نے کہا: "سلیمانؑ کافی دن سے ایک ہی جگہ کھڑے ہیں نہ وہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ ہی کچھ پیتے ہیں، ہو نہ ہو وہی ہمارے خدا ہیں۔"

ایک گروہ نے کہا: "سلیمان (نعوذ باللہ) جادوگر ہیں۔"

مؤمنین کی جماعت نے کہا: "سلیمانؑ خدا کے بندے اور اس کے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لئے جو مناسب سمجھے گا فیصلہ کرے گا۔"

پھر خداوند عالم نے ان کے عصا پر دیمک کو مسلط کردیا۔ وہ عصا کو چاٹتی رہی جب عصا کا اندرونی حصہ خالی ہوا تو حضرت سلیمانؑ محل کی چھت سے زمین پر آ گرے۔ حضرت سلیمانؑ کے گرنے کے بعد جنات کو علم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ فوت ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اس دن سے لے کر آج تک قومِ جنات دیمک کے ممنونِ احسان چلی آتی ہے۔ جہاں بھی دیمک ہوگی قوم جنات اسے پانی پہنچائے گی۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو ان الفاظ سے بیان فرمایا: "**فلما قفينا عليه الموت مادلهم على موته الادابة الارض تأكل منسأته فلما خرّ تبينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب مالبثوا فى العذاب المهين**" جب ہم نے سلیمانؑ کی موت کا فیصلہ کیا تو انسانوں اور جنوں کو زمین کے ایک کیڑے نے اطلاع پہنچائی جو ان کے عصا کو کھاتا رہا، جب سلیمانؑ گرے تو جنوں کو معلوم ہوا، اگر وہ غیب جاننے والے ہوتے تو رسوا کرنے والے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔" (بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۶)

خاندان برامکہ کی ابتدائی حالت

حسن بن سہل کہتا ہے کہ میں ایک دن یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس گیا تو وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس دوران میں لوگ اس کے پاس اپنی درخواستیں

لے کر آتے رہے اور وہ ان پر احکام جاری کرتا رہا۔

احمد بن ابی خالد احول بھی ایک درخواست لے کر آیا۔ یحییٰ نے اس کی درخواست پر مناسب احکام جاری کئے اور اپنے بیٹے فضل سے کہا: "میری اور اس جوان کے باپ کی ایک پرلطف داستان ہے، جب میں فارغ ہو جاؤں تو تم مجھے یاد دلانا، میں تمہیں وہ خوبصورت واقعہ سناؤں گا۔"

جب یحییٰ بن خالد برمکی حکومتی امور سے فارغ ہوا تو فضل نے اسے یاد دہانی کرائی تو یحییٰ نے کہا: "اے فرزند! جب مہدی عباسی کے دورِ حکومت میں اپنے خاندان کو لے کر میں بغداد آیا تھا تو اس وقت میں سخت فقرو تنگدستی میں مبتلا تھا۔ ایک دن مجھے میرے اہل خانہ نے بتایا کہ ہم نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا اور شرم کے مارے ہم نے آپ کو بھی نہیں بتایا۔

یہ سنتے ہی میں بڑا پریشان ہوا کہ میں اہلِ خانہ کی بھوک مٹانے کا سامان کہاں سے پیدا کروں؟

میرے ذہن میں ایک نئے تولیہ کا خیال آیا اور پوچھا کہ گھر میں ایک نیا تولیہ تھا۔ اگر موجود ہو تو مجھے دے دو۔

گھر والوں نے مجھے تولیہ دیا میں نے سترہ درہم میں وہ تولیہ فروخت کیا اور اس سے خورد و نوش کا معمولی سا سامان خریدا۔

دوسرے دن میں اسی جوان کے والد کے دروازے پر گیا وہ اس وقت وزیر تھا اور میرا شناسا تھا۔ جب میں وزیر کے دروازے پر پہنچا تو پہلے ہی وہاں ایک ہجوم جمع تھا۔ بالآخر وزیر گھوڑے پر سوار ہو کر دروازہ پر پہنچا مجھے دیکھ کر پوچھا کہ: "تم کیسے ہو؟"

میں نے کہا: "آپ میرا حال پوچھ کر کیا کریں گے؟ میری حالت یہ ہے کہ میں نے سترہ درہم کا تولیہ بیچ کر کھانا کھایا ہے۔"

میری بات سن کر وزیر نے کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا۔ میں گھر آیا اور اپنے خاندان والوں کو اس دن کی بپتا سنائی۔ میرے خاندان کے افراد نے کہا: "تو نے اپنی غربت کا اظہار کر کے اچھا نہیں کیا۔ تو وزیر کی نگاہوں سے گر گیا ہے وہ آئندہ تجھ سے مراسم نہیں رکھے گا۔"

دوسرے دن میں خلیفہ کے دربار میں گیا، وہاں ایک شخص نے کہا: "وزیر نے تمہارے متعلق پوچھا ہے اور میری یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ میں تمہیں جہاں دیکھوں وزیر کے پاس لے چلوں۔ اب کچھ دیر تم یہاں ٹھہرو میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

چنانچہ کچھ دیر بعد وہ شخص میرے لئے ایک گھوڑا لے آیا، میں اس پر سوار ہو کر وزیر کے پاس گیا۔ وزیر نے نوکر کو کہہ کر چند افراد کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: "میں نے تمہارے ہاتھ غلہ فروخت کیا تھا اور تمہیں کہا تھا کہ اس غلہ میں ایک شخص میری طرف سے تمہارا شریک ہوگا۔ اسے دیکھ لو یہ شخص تمہارا شریک ہے۔"

پھر وزیر نے کہا: "اب تم ان کے ساتھ جاؤ۔"

میں ان تاجروں کے ہمراہ باہر آیا تو انہوں نے کہا: "بھائی تو ہمارا شریک ہے لیکن تجھے بہت سے ملازمین اور سواریوں کی ضرورت پڑے گی اگر تو ہمارے کہنے پر عمل کرے تو ہر مصیبت سے تو آزاد ہوگا۔ ہم تجھ سے تیرا حصہ خریدنا چاہتے ہیں۔"

میں نے کہا: "بہتر ہے لیکن تم مجھے میرے حصہ کی کتنی رقم دو گے؟"

تاجروں نے کہا: "ہم تجھے ایک لاکھ درہم دیں گے۔"

میں نے کہا: "نہیں، یہ تو تھوڑی ہے۔"

آخر کار تاجروں نے مجھے تین لاکھ درہم کی پیش کش کی جو میں نے قبول کر لی اور کہا: "شرط یہ ہے کہ رقم کی ادائیگی وزیر کی موجودگی میں ہوگی۔"

میں وزیر کے پاس آیا اور اسے کہا: "مجھے تین لاکھ درہم مل رہے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟"

وزیر نے کہا: "بہتر ہے۔" پھر وزیر نے انہیں بلا کر رقم لانے کا حکم دیا۔ تاجروں نے مجھے تین لاکھ درہم دیئے۔

وزیر نے تمام رقم میرے حوالے کی اور کہا: "جاؤ اس سے گھر کا نان و نفقہ چلاؤ۔ میں عنقریب تمہیں دربار میں بھی کوئی عہدہ دلاؤں گا۔"

چند دنوں بعد وزیر کی سفارش سے مجھے عہدہ ملا اور میں اپنی صلاحیت اور قابلیت سے آج اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں تم مجھے اس وقت دیکھ رہے ہو۔

(ثمرات الاوراق ابن حجۃ حموی)

برامکہ کی خلفاء پر حکمرانی

عبدالملک بن صالح ہاشمی نے خلافت کی آرزو کی تھی جس کی وجہ سے ہارون الرشید اس پر ناراض ہو گیا تھا۔ ایک رات وہی عبدالملک جو کہ ہارون کے زیر عتاب تھا، جعفر برمکی کے دربار میں حاضر ہوا۔ جعفر برمکی نے پوچھا: "تمہیں کوئی کام ہے؟"

عبدالملک بن صالح ہاشمی نے کہا: "ہارون الرشید مجھ سے ناراض ہے، آپ کسی طرح سے اسے مجھ سے راضی کردیں۔"

جعفر نے کہا: "ہارون کے دل میں جو ناراضگی تھی وہ دور ہو گئی ہے۔"

عبدالملک نے کہا: "میں چار لاکھ درہم کا مقروض ہوں، میں چاہتا ہوں کہ قرض سے آزاد ہو جاؤں۔"

جعفر نے کہا: "اگر چاہوں تو میں تمہارا قرض ادا کر سکتا ہوں لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تمہارا قرض ہارون کی رقم سے ادا ہو۔ کل تمہارا قرض بھی ادا ہو جائے گا۔"

عبدالملک نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے ابراہیم کی شادی ہارون کی کسی بیٹی سے ہو جائے۔"

جعفر برمکی نے کہا: "ہارون نے اپنی دختر عالیہ کی تیرے بیٹے ابراہیم سے شادی کر دی۔"

عبدالملک نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کو کسی علاقہ کا والی بنایا جائے۔"

جعفر برمکی نے کہا: "ہارون نے اسے مصر کی حکومت عطا کی۔"

عبدالملک یہ سن کر جعفر برمکی کے دربار سے خوش ہو کر واپس چلا گیا۔

حاضرین میں سے بہت سے لوگوں نے جعفر کے اس اقدام پر تعجب کیا اور انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ ہارون اس جسارت پر ناراض ہو گا۔ لیکن ہارون نے جعفر کی تمام باتوں پر حرف بحرف عمل کیا۔

ایک دن ہارون اور عبدالملک شکار کے لئے گئے تو ہارون نے عبدالملک کو

ساتھ ملایا اور لشکر سے کافی فاصلہ پر اس سے کہا: "جعفر نے میری اجازت کے بغیر تیرے متعلق چار باتوں کا فیصلہ کیا، اب تو مجھے بتا کیا اسے یہ بات زیب دیتی تھی؟"

عبدالملک نے کہا: "اصل بات یہ ہے کہ آپ کے احسانات نے اسے یہ جسارت و جرأت بخشی ہے۔"

ہارون الرشید نے کہا: "حقیقت پر پردہ ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں تو مجھے سچ سچ بتا کہ اجازت کے بغیر اتنے بڑے اقدام کو تم کس نظر سے دیکھتے ہو؟"

یہ سن کر عبدالملک خاموش ہو گیا اور اس نے دل میں سمجھ لیا کہ ہارون کے دل میں خلش پیدا ہو چکی ہے۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ہارون نے خاندان برامکہ کو تہِ تیغ کر دیا۔ (تتمۃ المنتہیٰ)

تصویرِ انقلاب

محمد بن عبدالرحمٰن ہاشمی کہتا ہے کہ عید کے دن میں اپنی ماں کے پاس گیا تو ایک بوڑھی عورت کو اپنی ماں کے پاس دیکھا جس نے بہت ہی پرانا اور میلا لباس پہنا ہوا تھا۔

میری ماں نے کہا: "اس عورت کو جانتے ہو؟"

میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو میری ماں نے کہا: "یہ عورت انقلاب زمانہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ جعفر برمکی کی ماں عبادہ ہے۔"

میں نے کچھ دیر اس سے گفتگو کی اور پھر پوچھا: "آپ نے حوادثِ روزگار کو کیسا پایا؟"

جعفر برمکی کی ماں نے کہا: "بیٹا آج عید کا دن ہے۔ جب ہمارا اقتدار تھا اور ہمارا اختر بام عروج پر تھا تو عید کے دن میری خدمت کے لئے چار سو کنیزیں موجود ہوتی تھیں لیکن میں پھر بھی اپنے بیٹے جعفر پر ناراض ہوتی تھی کہ اس نے میری خدمت کے لئے اتنی اور کنیزیں کیوں نہیں بھیجیں؟ اور پھر ہمارا اختر ڈھل گیا آج بھی عید کا دن ہے اور آج میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ مجھے کہیں سے دو کھالیں مل جائیں ایک کھال نیچے بچھاؤں اور ایک کھال کو لحاف کے طور پر استعمال کر سکوں۔"

محمد (راوی) کہتا ہے کہ میں نے اسے پانچ سو درہم دیئے تو وہ بے چاری اتنی خوش ہوئی کہ خوشی کی وجہ سے مجھے اس کی موت کا خوف محسوس ہونے لگا۔

کبھی کبھی وہ بڑھیا ہمارے گھر آیا کرتی تھی اور ہم اس کی مدد کیا کرتے تھے۔

ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ بڑھیا دنیا کے تمام غموں سے آزاد ہو گئی ہے۔ اور ہزاروں من مٹی میں مدفون ہو چکی ہے۔ (الکلام یجر الکلام نقل از ابن خلکان)

صفحاتِ تاریخ پر برامکہ کی آخری نشانی

محمد بن زید دمشقی کہتا ہے کہ ایک رات فضل برمکی نے مجھے اپنے دربار میں بلایا، جب میں وہاں پہنچا تو ایک مجلس آراستہ تھی۔

فضل برمکی نے کہا: "مجھے خدا نے بیٹا عطا کیا ہے بہت سے شعراء نے تہنیتی اشعار کہے ہیں لیکن مجھے ابھی تک ان کا ایک شعر بھی پسند نہیں آیا۔ تجھے

اس لئے بلایا ہے کہ تو اس وقت ہمیں کوئی اچھا سا شعر سنا۔"

میں نے کہا: "اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے کسی اور وقت خوبصورت شعر سناؤں گا۔"

فضل نے بے حد اصرار کیا تو میں نے اس وقت فی البدیہ ایک نظم پڑھی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا:

ونفرح بالمولود من ال برمك

ولا سيما اذكان من ولا الفضل

آل برمک کے نومولود کی پیدائش پر ہم خوش ہوتے ہیں، خاص کر جب وہ فضل کا بیٹا ہو۔

فضل نے اس شعر پر خوش ہو کر مجھے دس ہزار دینار انعام دیا۔ جس سے میری مالی حالت درست ہوئی اور پھر اس رقم کو سرمایہ بنا کر میں نے تجارت شروع کی۔ چند سالوں میں میری دولت لاکھوں تک پہنچ گئی۔

میں اکثر اوقات اس واقعہ کو یاد کرتا رہتا تھا اور کبھی کبھی تنہائی کے لمحوں میں وہ شعر بھی گنگناتا تھا۔

زمانہ نے کروٹ بدلی تو پورا ماحول بدل گیا۔ آل برمک پر ہارون کا عتاب نازل ہوا اور اس نے اس خاندان کے تمام قابل ذکر افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ میں زمانہ کی نیرنگی پر بہت رویا۔ برامکہ کے سقوط کو کئی سال گزر گئے۔ میں نہانے کے لئے ایک حمام میں گیا اور میں نے حمام والے سے درخواست کی کہ میری مالش کے لئے وہ کسی ملازم کو بھیجے۔

ایک خوبصورت لڑکا میری مالش کے لئے آیا۔ اس نے میری مالش شروع

کی، اچانک مجھے گذرا ہوا زمانہ یاد آگیا اور میں نے وہی شعر گنگنانا شروع کیا جو میں نے فضل برمکی کے بیٹے کی پیدائش پر کہا تھا۔

مالش کرنے والے لڑکے کو خدا جانے کیا ہوا وہ اچانک بے ہوش ہوگیا۔ میں نے حمام کے مالک سے گلہ کیا کہ تم نے کیسا مریض لڑکا ملازم رکھا ہے جو گاہک کو مالش کرتے ہوئے بے ہوش ہو جاتا ہے۔

حمام کے مالک نے کہا: ”یہ لڑکا چند ماہ سے ہمارے حمام میں ملازمت کر رہا ہے آج تک یہ کبھی بے ہوش نہیں ہوا۔“

بہر نوع لڑکا ہوش میں آیا تو میں نے اس سے پوچھا: ”تو ایک دم کیوں بے ہوش ہوگیا تھا؟“

لڑکے نے کہا: ”کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ یہ شعر کس کا ہے اور کس کے لئے پڑھا گیا ہے؟“

میں نے کہا: ”جی ہاں! یہ شعر میرا ہے اور میں نے فضل برمکی کے بیٹے کی جشنِ تہنیت پر اسے پڑھا تھا۔“

لڑکے نے کہا: ”کیا تمہیں علم ہے کہ فضل کا بیٹا اس وقت کہاں ہے؟“

میں نے کہا: ”نہیں! میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔“

لڑکے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: ”وہ بدنصیب میں ہوں جس کی پیدائش پر تم نے یہ شعر پڑھے تھے۔ پھر اس نے اپنے حالات زندگی سنائے۔“

میں نے کہا: ”اے فرزند! تمہارے باپ کی عطا کردہ دولت سے اللہ نے مجھے غنی بنایا ہے اور خدا نے مجھے کوئی بیٹا نہیں دیا۔ لہذا تم میرے ساتھ چلو میری تمام دولت تمہارے لئے حاضر ہے۔“

لڑکے نے کہا: ”نہیں! میرے باپ دادا نے آپ کو اگر انعام دیا تھا تو میں اسے واپس نہیں لینا چاہتا۔ اگر آج میرے پاس بھی کچھ دولت ہوتی تو میں بھی آپ کو ضرور دیتا اور ویسے بھی میں گمنامی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے اگر میں منظر عام پر آگیا تو مجھے بھی قتل کردیا جائے گا۔ اس دن کے بعد وہ لڑکا مجھے اس حمام میں دوبارہ نظر نہ آیا۔

لمحہ ء فکریہ

تاریخ بحیرہ کے صفحہ ۱۳۸ پر ہارون الرشید کے ایک منشی کا بیان ہے کہ میں سالانہ اخراجات کی تفصیل دیکھ کر کل اخراجات کا حساب بنایا کرتا تھا۔

میں نے ایک رجسٹر میں ابوالفضل جعفر بن یحیٰی برمکی کی عید کا خرچ لکھا ہوا دیکھا اس میں صرف عطر کا خرچہ پچاس ہزار درہم تھا۔ اس کے لباس وغیرہ کا خرچ علیحدہ درج تھا اور پھر اسی سال کے رجسٹر پر میں نے دیکھا کہ جعفر برمکی کی لاش کو جلانے کے لئے جو تیل اور بوریا خریدا گیا تھا اس کا بھی حساب درج تھا۔ اس کی لاش کو ٹھکانہ لگانے کا خرچہ پونے پانچ درہم لکھا ہوا تھا۔

حُبِ دنیا تسلیم حق میں مانع ہے

ایک دن مامون الرشید نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”تمہیں علم ہے کہ میرے اندر جو تھوڑی بہت تشیع ہے، مجھے کس نے سکھائی ہے؟“

درباریوں نے کہا: ”ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔“

مامون نے کہا: ”میں نے تشیع کا سبق اپنے باپ ہارون الرشید سے

لیا ہے۔"

درباریوں نے کہا: "یہ کیسے ممکن ہے؟ ہارون کو خاندان سادات سے سخت دشمنی تھی اور اس نے بہت سے سادات کو تہ تیغ کیا تھا؟"

مامون نے کہا: "سچ ہے! میرے باپ نے ہمیشہ سادات پر سختیاں کی تھیں اور انہیں قتل کیا تھا لیکن اس نے یہ سب کچھ اپنی حکومت و اقتدار کے تحفظ کے لئے کیا تھا:۔ "لأن الملك عقيم" اقتدار کسی کا رشتہ دار نہیں ہوتا۔"

ایک سال میرا باپ حج کے لئے مکہ گیا ہم اس کے ساتھ تھے۔ مناسکِ حج سے فارغ ہو کر میرا باپ مدینہ گیا۔ جب مدینہ پہنچا تو دربانوں کو حکم دیا کہ مدینہ کا جو شخص بھی ملنے کے لئے آئے تو اس سے پہلے اس کا شجرۂ نسب معلوم کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس کا تعلق مہاجرین و انصار صحابہ میں سے کس کے ساتھ ہے؟

چنانچہ جتنے بھی اہل مدینہ ملاقات کے لئے آئے، انہوں نے اپنا شجرۂ نسب بیان کیا۔ ہارون ان کے باپ دادا کی اسلامی خدمات کو مد نظر رکھ کر انہیں انعامات دیتا رہا۔ دو سو دینار سے لے کر پانچ ہزار دینار تک اس نے لوگوں کو انعام دیا۔

ایک دن فضل بن ربیع جو کہ وزیر دربار تھا، نے اطلاع دی کہ آپ کے ملنے کے لئے ایک بزرگ آئے ہیں جن کا نام و نسب یہ ہے: "موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب۔"

میرے باپ نے یہ نام و نسب سن کر مجھے اور میرے بھائیوں امین و مؤتمن اور لشکر کے سالاروں کو حکم دیا کہ ہم ان بزرگوار کے ادب و احترام کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

پھر ایک بزرگ تشریف لائے جن کا بدن عبادت کی وجہ سے کمزور ہو چکا تھا اور طولانی سجدوں کی وجہ سے ان کے اعضائے سجدہ زخمی تھے۔

جب ان کی نظر ہارون پر پڑی تو انہوں نے اپنی سواری سے اترنا چاہا لیکن میرے باپ ہارون نے کہا: "آپؑ کو خدا کی قسم آپ سواری سے نہ اتریں۔"

جب وہ بزرگوار قالین کے قریب آئے تو اپنی سواری سے اترے۔ ہارون نے تخت سے اتر کر ان کا استقبال کیا، انہیں اپنے ساتھ بٹھایا اور ان کی آنکھوں کے بوسے دیئے، پھر ان کی اور میرے باپ کی گفتگو ہوئی۔

گفتگو کے دوران میرے باپ نے پوچھا: "ابوالحسنؑ! آج کل کتنے افراد تمہاری زیر کفالت ہیں؟"

انہوں نے کہا: "پانچ سو افراد سے کچھ زیادہ افراد میری کفالت میں ہیں۔"

پھر میرے باپ نے پوچھا: "کیا یہ سب آپؑ کی اولاد ہے؟"

انہوں نے کہا: "نہیں ان میں سے زیادہ تر غلام کنیزیں اور ان کی اولادیں ہیں اور میری پینتیس (۳۵) اولادیں ہیں۔"

میرے باپ نے کہا: "آپؑ نے اپنی بیٹیوں کی ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"

انہوں نے کہا: "میری مالی حالت نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔"

میرے باپ نے پوچھا: "آپؑ کے باغات کس حال میں ہیں؟"

انہوں نے فرمایا: "ان سے کبھی کچھ حاصل ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔"

میرے باپ نے پوچھا: "آپؑ کے ذمہ کتنا قرض ہے؟"

انہوں نے فرمایا: "تقریباً دس ہزار دینار کا مقروض ہوں۔"

میرے باپ نے کہا: "آپؑ بالکل نہ گھبرائیں، میں آپؑ کے ہاتھ میں اتنی رقم دے دوں گا جس سے آپؑ اپنے بچے اور بچیوں کی شادی کر سکیں گے اور باغات کو ازسرنو آباد کر سکیں گے۔"

یہ سن کر اس بزرگوار نے فرمایا: "اگر تم ایسا کرو گے تو تم رشتہ داری کے حقوق پورے کرو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزا دے گا۔

عباس جناب رسول خداؐ اور علیؑ ابن ابی طالب دونوں کے چچا تھے، ہم ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہیں، اللہ نے تمہیں حکومت دی ہے، اگر تم ایسا کرنا چاہو تو یہ بعید نہیں ہے، اللہ نے حکام پر واجب کیا ہے کہ وہ غرباء کی مدد کریں اور مقروضوں کا قرض ادا کریں، بے لباس لوگوں کو لباس فراہم کریں اور تم پر اس سلسلہ میں سب سے زیادہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

ہارون الرشید نے کہا: "یہ میرا فریضہ ہے، میں انشاء اللہ آپؑ کو بے نیاز کردوں گا۔"

جب امام موسیٰ کاظمؑ گھر جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میرے باپ نے ہم تینوں بھائیوں کو حکم دیا کہ: "تم اپنے خاندان کے بزرگ کو ان کے گھر تک پہنچاؤ۔"

ہم امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ چلنے لگے۔ امامؑ سوار تھے اور ہم پیدل چل رہے تھے۔ امامؑ نے مجھے اپنے قریب کر کے کہا: "ہارون کے بعد خلافت تجھے ملے گی، خیال رکھنا میرے بیٹے کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔"

ہم انہیں ان کے گھر پہنچا کر واپس آئے۔ میں اپنے باپ کی اولاد میں سے کچھ جسارت والا لڑکا تھا۔ میں نے واپس آکر اپنے باپ سے پوچھا: "یہ بزرگوار

کون تھے جن کا آپ نے اس قدر احترام کیا تھا؟"

میرے باپ نے کہا: "یہ امام برحق اور حجت خدا ہیں۔"

میں نے کہا: "تو کیا آپ امام برحق اور حجت خدا نہیں ہیں؟"

میرے باپ نے کہا: "ہم جبر و غلبہ سے لوگوں کی گردنوں پر حکومت کر رہے ہیں اور یہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں، میں تمہارے سامنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت پوری روئے زمین پر ان سے زیادہ پیغمبرؐ کی جانشینی کا اور کوئی حق دار نہیں ہے۔

اس کے باوجود میں تجھے ایک بات بتاؤں کہ تو میرا بیٹا ہے اگر تو بھی حکومت کے لئے مجھ سے نزاع کرے تو میں تجھے بھی قتل کردوں گا۔ "فان الملك عقيم" اقتدار کسی کا رشتہ دار نہیں ہوتا۔"

جب ہارون نے مکہ سے مدینہ جانے کا ارادہ کیا تو اس نے ایک سیاہ رنگ کی تھیلی فضل بن ربیع کو دے کر کہا: "یہ تھیلی امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس بھیج دو، اس میں دو سو دینار ہیں، ان سے معذرت کرنا اور کہنا کہ ہم اس وقت کچھ مالی پریشانی میں مبتلا ہیں، عنقریب ہم آپ کو مزید رقم ارسال کریں گے۔"

مامون کہتا ہے: "یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے جرأت کر کے اپنے باپ سے کہا کہ کچھ تو عدل و انصاف سے کام لیں۔ گمنام افراد کو آپ نے ہزاروں دینار دیئے اور جو آپ کا رشتہ دار ہے اور ہر لحاظ سے فائق ہے آپ اس کے لئے اتنی قلیل سی رقم بھیج رہے ہیں؟"

میرے باپ نے کہا: "بے مادر! خاموش رہ، اگر میں اپنے وعدہ کے مطابق اسے رقم دے دوں تو کل اس کے شیعوں کی ایک لاکھ تلواروں کا مجھے سامنا کرنا

پڑے گا ، یہ خاندان جتنا تنگ دست ہو اس میں تیرا اور میرا فائدہ ہے۔" (بحارالانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۱)

مخارق نامی ایک شخص خلیفہ کا درباری گویا تھا۔ جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو پریشان ہوا۔ اس نے خلیفہ کے پاس آکر کہا: "میں جب سے آپ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا ہوں یہاں کے لوگوں نے مجھ سے مالی مدد کا تقاضا کیا ہے، اگر میں انہیں کچھ دوں تو انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ آپ مجھ پر کتنے مہربان ہیں؟"

خلیفہ نے اس کے لئے دس ہزار دینار کا حکم دیا۔

اس نے دس ہزار دینار لے کر کہا: "یہ رقم تو مجھ سے فقرائے مدینہ لے جائیں گے میں خود مقروض ہوں، آپ مہربانی کر کے مجھے اتنی رقم عنایت کریں جس سے میں اپنا قرض اتار سکوں۔"

خلیفہ نے اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے دس ہزار دینار دیئے۔

اس کے بعد اس نے کہا: "میری بیٹیاں جوان ہو چکی ہیں، میں نے ان کی شادیاں کرنی ہیں مجھے اس کے لئے بھی رقم عنایت کریں۔"

خلیفہ نے اسے دس ہزار دینار عطا کئے۔

اس نے پھر کہا: "مجھے اپنی اولاد کے لئے کچھ زمین کی ضرورت ہے تاکہ میری نسل کسی کی محتاج نہ رہے۔"

خلیفہ نے اس کے نام کچھ زمین لکھ کر دے دی جس کا سالانہ محصول دس ہزار دینار تھا۔

اس کے بعد وہ گویا تیس ہزار دینار اور زمین کے کاغذات لے کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "مولا! اس لعین نے

آپ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے مجھے اس پر سخت افسوس ہے۔ میں بہانے سے تیس ہزار دینار اور زمین کی ملکیت کے کاغذات لایا ہوں آپ میری طرف سے یہ قبول فرمائیں۔"

آپؑ نے فرمایا: "خدا تمہیں جزائے خیر دے، میں اس رقم میں سے ایک درہم بھی نہیں لوں گا اور نہ ہی یہ زمین قبول کروں گا۔ تم آرام و سکون سے چلے جاؤ اور مجھ سے اس کا اصرار نہ کرو۔"

مخارق نے امام علیہ السلام کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور روانہ ہو گیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۱)

حُبِ دنیا کا انجام

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جس کے رہائشی گلیوں اور گھروں میں مرے پڑے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: "یہ لوگ اپنی طبعی موت نہیں مرے، اگر یہ طبعی موت مرتے تو کوئی انہیں دفن ضرور کرتا اور یوں پوری بستی ویران نہ ہوتی۔ یقینی طور پر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے۔"

حواریوں نے کہا: "کاش ہمیں معلوم ہو سکتا کہ ان پر اللہ کا عذاب کیوں نازل ہوا؟"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروردگار کی طرف سے وحی ہوئی کہ: "آپؑ انہیں صدا دیں، ان میں سے ایک شخص آپ کے ساتھ بات کرے گا اور آپؑ

کے سوالوں کا جواب دے گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آواز دی : "بستی والو!"

ایک شخص نے جواب دیا : "روح اللہ! فرمائیں کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا : "تمہارا کیا معاملہ ہے اور اس وقت تمہاری حالت کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا : "ہم صبح کے وقت بالکل خیریت سے بیدار ہوئے تھے اور شام کو ہم "ھاویہ" میں پہنچ گئے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : "ھاویہ کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا : "ھاویہ آگ کا دریا ہے جس میں پہاڑ جل رہے ہیں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا : "تمہارا جرم کیا تھا؟"

اس نے کہا : "**حب الدنیا و عبادة الطاغوت.**" "دنیا کی محبت اور طاغوت کی اطاعت نے ہمیں ھاویہ میں بھیجا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : "تمہیں دنیا سے کتنی محبت تھی؟"

اس نے کہا : "جتنی محبت چھوٹے بچے کو ماں کے پستان سے ہوتی ہے۔ ہمیں بھی دنیا سے اتنی ہی محبت تھی۔ جب دنیا ہماری طرف رخ کرتی تو ہم خوش ہوتے اور جب وہ منہ پھیرتی تو ہم غمگین ہو جاتے تھے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : "طاغوت کی اطاعت میں تم کہاں تک جا پہنچے تھے؟"

اس نے کہا : "ہمیں طاغوت جو کچھ کہتے ہم اس پر فوراً عمل کیا کرتے تھے۔"

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا : "ان تمام مردوں میں سے صرف تو نے ہی مجھے جواب کیوں دیا اور باقی مردے کیوں خاموش رہے؟"

اس نے کہا : "ان کے منہ میں آگ کی لگامیں ڈالی جا چکی ہیں اور تندخو اور سخت گیر فرشتے ان کے عذاب کے لئے مامور ہیں۔

میں بھی انہیں میں رہتا تھا لیکن میں ان کی پیروی نہیں کرتا تھا، جب اللہ کا عذاب آیا تو اس نے مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت دوزخ کے کنارے میں ایک بال کے ساتھ میں لٹکا ہوا ہوں اور اندیشہ ہے کہ کسی بھی وقت وہ بال ٹوٹ سکتا ہے اور میں دوزخ میں جا سکتا ہوں۔" **فقال عیسیٰ لاصحابه ان النوم علی المزابل و اکل خبز الشعیر خیر کثیر مع سلامة الدین.**"

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : "سلامتی دین کے ساتھ نانِ جویں کھا کر راوڑی پر سونا بہتر ہے۔" (بحار جلد ١٤ صفحہ ٣٢٢۔ الکافی میں طاغوت کی بجائے اھل معصیت کے الفاظ درج ہیں)

عشاقِ دنیا کی شکل و صورت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : "حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک پیروکار ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور ان سے علم حاصل کرتا تھا۔ کافی عرصہ کے بعد اس نے آپؑ سے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اجازت دی اور فرمایا : "جاؤ اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں سے ملو لیکن ایک بات کا خصوصی خیال رکھنا اللہ نے تمہیں علم دیا ہے۔ اپنے علم کے مطابق عمل کرنا اور علم کے بدلے دنیا طلب نہ کرنا ورنہ تم

نقصان اٹھاؤ گے۔"

شاگرد نے کہا: "ہمیں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید ہے۔"

شاگرد چلا گیا اور عرصۂ دراز تک موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس نہ آیا۔

آپؑ لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے رہے لیکن کہیں سے بھی اس کی خبر نہ ملی۔ ایک دن آپؑ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: "تم نے میرے فلاں شاگرد کو دیکھا؟"

جبرئیل امینؑ نے کہا: "حضور! وہ مسخ ہو کر بندر بن چکا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اس کا جرم کیا تھا؟"

حضرت جبرئیل امینؑ نے عرض کی: "اللہ نے اسے علم عطا کیا تھا لیکن اس نے علم کو دنیا کے بدلہ میں فروخت کر دیا، اسی لئے خداوند عالم نے اسے مسخ کر کے بندر بنا دیا۔

ایک عورت سے محبت کا انجام

بنی عباس کے ابتدائی خلفاء میں "ہادی" نامی خلیفہ گزرا ہے۔ یہ ہارون الرشید کا بھائی تھا اور اس کی موت کے بعد ہارون الرشید بر سر اقتدار آیا تھا۔

ہادی عباسی کے پاس ایک خوش آواز کنیز تھی۔ جس کا نام "غادرہ" تھا۔

وہ اپنے دور کی حسین اور خوش آواز عورتوں میں شمار ہوتی تھی اور اس کے پاس ادبی ذخیرہ موجود تھا اور قادر الکلام شعراء کی نظمیں اسے ازبریاد تھیں۔

چنانچہ اس کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ہادی عباسی اس کا عاشق تھا۔

ایک رات وہ ہادی عباسی کے محل سرا میں گانا گا رہی تھی اور ہادی بڑی

محویت سے اس کا گانا سن کر محفوظ ہو رہا تھا کہ یکایک اس کی طبعت منغض ہو گئی۔

جب کنیز نے ہادی کی اکتاہٹ محسوس کی تو اس نے بصد ناز ہادی سے اکتاہٹ کا سبب دریافت کیا۔

ہادی نے کہا: "کچھ نہیں! دراصل میں تمہاری صورت و آواز سے محفوظ ہو رہا تھا کہ ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں عنقریب مر جاؤں گا اور تو جس طرح سے میرا دل خوش کر رہی ہے اسی طرح سے میرے بھائی ہارون کا دل خوش کرے گی۔ یہی سوچ کر میں پریشان ہو گیا۔"

"غادرہ" نے بصد عشوہ و ناز سے جواب دیا: "آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، کیا میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی؟"

بہر نوع ہادی کی اکتاہٹ دور نہ ہوئی اور کنیز سے کہا: "تم قسم کھاؤ میرے مرنے کے بعد تم ہارون کا دل نہیں بہلاؤ گی۔" کنیز نے قسم کھائی۔

پھر ہادی عباسی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو بلایا اور کہا: "زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ یہ وعدہ کرو اور قسم کھاؤ کہ میرے مرنے کے بعد تم غادرہ سے دل نہیں بہلاؤ گے۔" ہارون نے بھی وعدہ کیا اور قسم کھائی۔

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہادی عباسی مر گیا اور ہارون الرشید بر سرِ اقتدار آیا۔

چند دن بعد ہارون نے اسی کنیز کو بلایا اور کہا: "میں بھی تیرے وجود سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہوں۔"

کنیز نے کہا: "مگر ہم دونوں نے جو قسمیں کھائی تھیں ان کا کیا بنے گا؟"

ہارون نے کہا: "میں اپنی اور تیری طرف سے قسم کا کفارہ ادا کر دیتا

ہوں۔" اس کے بعد ہارون کے غادرہ سے وہی شب و روز گزرنے لگے جو اس کے بھائی کے گزرتے تھے۔

ایک دن غادرہ نے اپنا سر ہارون کی گود میں رکھا ہوا تھا اور اسے نیند آگئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ہارون نے اس سے گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "جیسے ہی مجھے آپ کی ران پر نیند آئی تو میں نے تیرے بھائی ہادی عباسی کو خواب میں دیکھا، اس نے مجھے کہا کہ جس نے تیرا نام غادرہ (بے وفا) رکھا تھا وہ بالکل سچا تھا۔"

پھر کنیز نے کہا: "ہارون! مجھے یقین ہے کہ میں آج رات تک مر جاؤں گی اور ہادی کے پاس چلی جاؤں گی۔"

ہارون نے اسے تسلیاں دے کر کہا: "کچھ نہیں بعض اوقات انسان ایسے پریشان کن خواب دیکھ لیتا ہے۔ اس سے تجھے نہیں گھبرانا چاہئے۔"

لیکن اس کے بعد اس کی طبعیت بگڑنے لگی اور اس کے پورے وجود میں رعشہ پیدا ہوگیا اور اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اسکی یہ مہیب صورت دیکھ کر ہارون اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ دیر بعد وہ مر گئی۔ (تحفۃ الیمن صفحہ ۲۳)

چند روایات

سئل علی بن الحسین ؑ ای الاعمال افضل عنداللّٰہ عزوجل فقال مامن عمل بعد معرفة اللّٰہ و معرفة رسوله افضل من بغض الدنیا و ان لذلك شعبا كثيرة وللمعاصی شعباء فاول ماعصی اللّٰہ به الكبرو هی معصية ابليس حين ابیٰ واستكبر و كان من الكافرين.

والحرص وهی معصية ادم وحوا، حين قال اللّٰہ لهما "كلامن حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين" فاخذا مالا حاجة بهما اليه فدخل ذلك علی ذريتهما الیٰ يوم القيامة و ذلك ان اكثر مايطلب ابن ادم مالا حاجة به اليه.

ثم الحسد وهی معصية ابن ادم حيث حسد اخاه فقتله فتشعب من ذلك حب النساء وحب الدنيا وحب الرياسة وحب الراحة وحب الكلام وحب العلو و الثروة فصرن سبع خصال اجتمعن كلهن فی حب الدنيا فقال الانبياء والعلماء بعد معرفة ذلك حب الدنيا رأس كل خطيئة، والدنيا دنيائان دنيا بلاغ و دنيا ملعونة.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۱"

امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا: "اللہ کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: "اللہ اور رسولؐ کی معرفت کے بعد افضل ترین عمل بغضِ دنیا ہے۔"

اس کی بہت سی شاخیں ہیں اور گناہوں کی بھی شاخیں ہیں:

خدا کی پہلی نافرمانی تکبر کی وجہ سے کی گئی اور یہ ابلیس کی نافرمانی تھی اس نے سجدہ کا حکم سن کر انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا اور حرص یہ آدمؑ و حوّا کی معصیت کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا تھا: "جنت میں جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔"

مگر آدمؑ و حوّا حرص سے مجبور ہو کر اس درخت کے پاس گئے اور جس کی ضرورت

نہ تھی انہوں نے اس سے استفادہ کیا اور یہی عادت بطور میراث قیامت تک ان کی نسل میں جاری رہے گی کیونکہ فرزند آدمؑ زیادہ تر وہی چیزیں جمع کرتا ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہوتی۔

ان دو گناہوں کے بعد حسد بڑا گناہ ہے اور اسی کی وجہ سے قابیل ملعون بنا کیونکہ اس نے حسد کی وجہ سے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔

پھر اسی صفت حسد سے یہ صفات رذیلہ پیدا ہوتی ہیں:

۱) عورتوں سے محبت

۲) دنیا سے محبت

۳) حب ریاست

۴) حب راحت

۵) بات کرنے کی محبت

۶) برتری کی محبت

۷) دولت کی محبت

مجموعی طور پر یہ سات صفات رذیلہ ہیں ان سب کا سرچشمہ حب دنیا ہے۔

اسی لئے انبیاء و علماء نے اس نکتہ سے واقف ہو کر فرمایا تھا: "دنیا کی محبت ہر غلطی کی بنیاد ہے۔"

مر قال رسول اللهؐ بجدی اسك ملقیً علی مزبلة میتا فقال لاصحابه کم یساوی هذا فقالو لو کان حیاً لم یساوِ درهما فقال النبیؐ والذی نفسی بیده الدنیا اهون علی الله من هذا الجدی علی اهله.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ

ان کا گزر ایک اروڑی سے ہوا جس پر کان کٹا ہوا بکری کا بچہ مرا پڑا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: "اس بکری کے بچہ کی کیا قیمت ہوگی؟"

اصحاب نے عرض کی: "اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو ایک درہم کے برابر بھی اس کی قیمت نہ ہوتی۔"

آپؐ نے فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ کی نظر میں یہ دنیا اس بکری کے بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔"

عن ابی عبداللهؑ قال ان فی کتاب علی صلوات الله علیه انما مثل الدنیا کمثل الحیة ماالین مسها وفی جوفها سم الناقع یحذرها الرجل العاقل ویهوی الیها الصبی الجاهل: وقال الصادقؑ مثل الدنیا کمثل ماء البحر کلما شرب منه العطشان ازداد عطشا حتی یقتله.

"کافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں درج ہے کہ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے جو کہ بہت نرم اور خوش رنگ ہے لیکن اس کے اندر زہر قاتل بھرا ہوا ہے، عقل مند شخص اس سے ڈرتا ہے اور بے وقوف بچہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: "دنیا کی مثال سمندر کے پانی جیسی ہے، اسے جب کوئی پیاسا پیئے گا تو اس کی پیاس میں اضافہ ہوتا جائے گا اور وہ پانی اسے مار ڈالے گا۔"

عن حماد بن بشیرقال سمعت ابا عبداللهؑ یقول مذئبان ضاریان فی غنم قدفارقها رعاؤها احدهما فی اولها والاخر فی أخرها بافسد فیها من حب المال

والشرف فی دین المسلم.

"الکافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۵"

حماد بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا: "اگر بکریوں کے ریوڑ کا چرواہا موجود نہ ہو اور اس کی عدم موجودگی میں دو بھیڑیے ریوڑ میں چلے آئیں، ایک بھیڑیا ریوڑ کی ابتداء میں ہو اور دوسرا ریوڑ کے آخر میں ہو تو وہ دونوں بھیڑیے ریوڑ کا اتنا نقصان نہیں کریں گے جتنا کہ حب مال اور حبِ منصب مسلمان کے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔"

Presented by www.ziaraat.com